امثال القرآن کی جہتیں اور عصری معنویت

(تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

ربیعہ ریاض

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

فروری ۲۰۲۲ء

امثال القرآن کی جہتیں اور عصری معنویت

(تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

ربیعہ ریاض

ایم اے، یونیورسٹی آف سرگودھا

یہ مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا ہے

ایم، فل علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔ پاکستان

© ربیعہ ریاض، ۲۰۲۲ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد　　　　فیکلٹی آف سوشل سائنسز

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **امثال القرآن کی جہتیں اور عصری معنویت**(تجزیاتی مطالعہ)

IDIOMS Of Quran & Their Contemporary Relevance

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: ربیعہ ریاض

رجسٹریشن نمبر: 1692-Mphil\IS\S19

ڈاکٹر نور حیات خان　　　　＿＿＿＿＿＿＿＿

(نگران مقالہ)　　　　نگران مقالہ کے دستخط

ڈاکٹر نور حیات خان　　　　＿＿＿＿＿＿＿＿

(صدر شعبہ علوم اسلامیہ)　　　　دستخط صدر، شعبہ علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی　　　　＿＿＿＿＿＿＿＿

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)　　　　ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان　　　　＿＿＿＿＿＿＿＿

(پرو۔ ریکٹر اکیڈمکس)　　　　دستخط پرو۔ ریکٹر اکیڈمکس

تاریخ: ＿＿＿＿＿＿＿＿

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں ربیعہ ریاض ولد محمد ریاض رولنمبر:MP-S19-502

رجسٹریشن نمبر 1692-Mphil\IS\S19

طالبہ، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **" امثال القرآن کی جہتیں اور عصری معنویت "**

Amsaal ul Quran ke jehtien or asri ma'anvyat

IDIOMS Of Quran & Their Contemporary Relevance

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور محترم **ڈاکٹر نور حیات خان** صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: ربیعہ ریاض

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

Abstract

IDIOMS Of Quran & Their Contemporary Relevance

The Quran is the most read-Book in the world, revealed by Allah Almighty to prophet Muhammad (SAWS) and revered by Muslims as being Allah's final scripture and. its words have been lovingly recited, memorized and implemented by Muslims of every nationality ever since. Therefore, the Holy Quran gives examples for refining of Soul, betterment of Morality, Correction of believes, and play every effective role in guiding for success and improvement. Importance of examples Cannot be denied for quick teaching, learning, explanation and eradicating confusions. The best examples are the one given in the Holy Quran.

The Quran is the source guide the purpose of parables in Quran is to get a lesson. In each instance there. is knowledge to mankind, it possesses a particular utility. This thesis explains deeply about the importance of Similitude of the Quran.

The thesis that I am an going to present here is essentially analytical which has been divided into five chapters. The first chapter deals with the meanings of significance of the Quranic parables. It also shed light on the need, importance, rationality and aims and objectives of these idioms. The Second Chapter discusses the meanings of Quranic idioms with reference to beliefs and are interpreted in contemporary issues. The Third Chapter deals with Quranic examples pertaining to different aspects of worships. The forth chapter sheds light on Quranic concepts of humans as "Social Being's" and the indviuals interactions with Society. The fifth chapter speaks about the impacts of Quranic Parables on ethics and adapting to reach other Communities for preaching.

In the conclusion, benefits of this research, proposals and recommendations have been highlighted.

نمبر شمار	فہرست عنوان	صفحہ نمبر
۱.	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	**i**
۲.	حلف نامہ فارم	**ii**
۳.	ABSTRACT	iii
۴.	فہرست عنوان	iv
۵.	اظہار تشکر	v
۶.	انتساب	Viii
۷.	مقدمہ	ix
۸.	**باب اول: امثال القرآن کا مفہوم اور حکمتیں**	1
۹.	**فصل اول:** امثال القرآن کا مفہوم اور اس کی اہمیت	2
۱۰.	**فصل دوم:** امثال القرآن: فوائد، حکمتیں اور مقاصد	13
۱۱.	**فصل سوم:** امثال القرآن: اقسام اور دائرہ کار	39
۱۲.	**باب دوم: عقائد سے متعلق امثال القرآن**	48
۱۳.	**فصل اول:** امثال القرآن کے ذریعے تفہیم توحید	49
۱۴.	**فصل دوم:** امثال القرآن کے ذریعے تفہیم رسالت	58
۱۵.	**فصل سوم:** امثال القرآن کے ذریعے ایمان، کفر و نفاق کی تقسیم	72
۱۶.	**فصل چہارم:** امثال القرآن کے ذریعے اُخروی زندگی کی تفہیم	86
۱۷.	**باب سوم: عبادات سے متعلق امثال القرآن**	95
۱۸.	**فصل اول:** روزہ اور امثال القرآن	96
۱۹.	**فصل دوم:** حج بیت اللہ اور امثال قرآن	105
۲۰.	**فصل سوم:** صدقہ اور امثال القرآن	115
۲۱.	**باب چہارم: معاملات سے متعلق امثال القرآن**	123
۲۲.	**فصل اول:** سود کا خاتمہ اور امثال القرآن	124
۲۳.	**فصل دوم:** ریاکاری کا خاتمہ اور امثال القرآن	134
۲۴.	**فصل سوم:** کفار کی فلاحی سرگرمیاں اور امثال القرآن	144

۲۵.	**فصل چہارم:** حق اور باطل کی کشمکش اور امثال القرآن	150
۲۶.	**باب پنجم: اخلاقیات سے متعلق امثال القرآن**	160
۲۷.	**فصل اول:** حسن اخلاق اور امثال القرآن	161
۲۸.	**فصل دوم:** رذائل اخلاق اور امثال القرآن	169
۲۹.	نتائج بحث	179
۳۰.	تجاویز و سفارشات	181
۳۱.	فہرست آیات	183
۳۲.	فہرست احادیث	190
۳۳.	فہرست مصادر و مراجع	191

اظہار تشکر

سب سے پہلے شکر ادا کرتی ہوں اللہ رب العزت کا جس کی توفیق زندگی کے ہر قدم پر میرے ساتھ رہی۔ بعد ازاں میں درود و سلام پیش کرتی ہوں جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر جو فخر موجودات ہیں، اس کے بعد میں اپنے تمام اساتذہ کرام کی شکر گزار ہوں، جن سے میں نے کسبِ فیض کیا، خصوصًا اپنے نگرانِ مقالہ جناب **ڈاکٹر نور حیات خان صاحب** "ایسوسی ایٹ پروفیسر صدر شعبہ علوم اسلامیہ" کی، یہ مقالہ انہی کی شفقت اور نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کے شرف اور فضل کا اعتراف نہ کرنا علمی ناقدری کی علامت ہوگی جس مادر علمی کی وجہ سے مجھے ایم فل کا تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا۔ اس سلسلے میں شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ کرام خصوصیت کے ساتھ جذبات تشکر کے مستحق ہیں، جن میں سر فہرست ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز محترم ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب کی دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں، نیز شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ، لائبریری کے عملے، الھدی لائبریری اور تمام دوستوں کی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کاوش کے دوران کسی نہ کسی انداز میں میری مدد کی۔

آخر میں اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ میری ادنی سی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

ربیعہ ریاض

ایم فل علوم اسلامیہ

انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ سی کاوش کو اللہ تعالیٰ اپنے والدین اور اساتذہ اور ان دوستوں کے نام کرتی ہوں جنہوں نے میری تعلیمی زندگی میں رہنمائی اور مدد فراہم کی۔ جن کی کوششوں کی بدولت آج میں اس مقام پر پہنچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وعلى اله وأصحابه وأهل بيته وذريته أجمعين.

تعارف موضوع

امثال مثل یا مثال کی جمع ہے یعنی مخاطب کو سمجھانے کے لئے مثال دے کر بات سمجھانا۔ خالق کائنات نے انسانی فطرت کا لحاظ کر کے مثالوں کے ذریعے اسے مدعا پہنچایا اور سمجھایا ہے۔ یہی ازل سے بآسانی سمجھنے کے حوالے سے انسانی وطیرہ رہا ہے۔ باری تعالیٰ نے کلام پاک کو سمجھانے کے لئے کئی ایک مثالیں دی ہیں تا کہ ہم رب کے پیغام کو صحیح معنوں میں سمجھ کر روزمرہ زندگی کے معمولات کی درستگی کر سکیں۔ اللہ تعالی کے اس قول کے مطابق:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (الحشر:۲۱)

"اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے غور و فکر اور تدبر کے لئے پیش کرتے ہیں"

قرآن مجید سراپا حکمت ہے، اللہ رب العزت نے انسانوں کو بھلائی پر قائم رکھنے کے لئے اور زندگی میں عبرت سیکھنے کے لئے قرآن میں کئی مثالیں بیان کی ہیں ان میں ہر مثال اپنے اندر کئی اسرار اور حکمتیں رکھتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ اپنی آنکھوں سے کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے تو یقین کی اعلی سطح پر چلا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالی نے ایسی مثالیں بیان کی ہیں جس سے انسان یا تو براہ راست متعارف ہوتا ہے یا بالواسطہ ان کی خبر رکھتا ہے۔ اللہ نے قرآن مجید میں جو امثال بیان کی ہیں وہ اس قدر جامع اور پر حکم ہیں کہ تاریخ انسانیت کے تمام ادوار کے لئے ان میں عبرتیں پوشیدہ ہیں ہر زمانے کے اہل علماء ان مثالوں سے اپنے زمانے کے لوگوں کی رہنمائی کے لئے دروس و عبر حاصل کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فإنَّ القرآنَ نزل على خَمْسَةِ أَوْجُهٍ، حلالٌ، وحرامٌ، ومُحْكَمٌ، ومتشابهٌ، وأمثالٌ، فاعملوا بالحلالِ، واجتَنِبُوا الحرامَ واتَّبِعُوا المحْكَمَ، وآمِنوا بالمتشابهِ، واعتَبِرُوا بالأمثال"(۱)

۱۔ خطیب تبریزی، محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، دار الکتب العلمیہ لبنان ۱۹۹۳، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنتہ، الفصل الاثانی، ۱، ص ۹۹، ارقم ۱۸۲۔

بے شک قرآن کریم پانچ وجوہ پر نازل ہوا ہے حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال پر۔ پس تم حلال پر عمل کرو حرام سے اجتناب کرو محکم کی اتباع کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے عبرت و نصیحت حاصل کرو۔

ضرورت و اہمیتِ موضوع

تفہیم دین میں امثال القرآن خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ قرآن مجید کے ہر مثال میں علم کا بیش بہا خزانہ پنہاں ہے۔ دعوت کے میدان میں ان کو کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔ ان پر غور و فکر کے ذریعے نہ صرف دنیا کی حقیقت اور ناپائیداری کو سمجھا جاسکتا ہے بلکہ اپنی آخرت کو بھی بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ اس لیے اللہ نے توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین کو سمجھانے کے لیے قرآن میں کئی مثالیں دی ہیں۔ مثالوں سے انسان جلدی اور زیادہ بہتر بات سمجھ سکتا ہے۔ آج سائنس کا دور ہے، جس میں انسان منطق و دلیل مانگتا ہے۔ اس تناظر میں قرآنی امثلہ نہایت کارگر اور موافق فطرت ہیں۔ انسانی ضمیر کو ان کے ذریعے ہدایت کی طرف پلٹایا جاسکتا ہے۔ مثالیں نہ صرف قرآن کا ایک بہترین انداز ہیں بلکہ قرآن مجید کا ایک معجزہ بھی ہے۔ انسان کو نصیحت کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے۔ یہ امثال نصیحت کے ایسے انداز ہیں جنہیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ امثال حقائق بیان کرتی ہیں۔

نزول قرآن سے لے کر آج تک مختلف زاویوں سے قرآن کی توضیحات و تفسیرات سامنے آرہی ہیں، لیکن آج بھی کوئی دعوی نہیں کر سکتا کہ قرآن کے نگینے اور حکمتیں مکمل طور پر متعارف ہو چکی ہیں۔ قرآن کی ضرب المثال کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس سے وعظ و تذکیر، ترغیب و تحریص، زجر، عبرت، تقریر و تاکید، مراد کو فہم مخاطب کے قریب کرنا اور مراد کو محسوس صورت میں پیش کرتی ہے۔ جس سے بات ذہن میں نقش ہو جاتی ہے۔ قرآن اور دیگر آسمانی کتب میں ضرب المثل کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ انجیل کی سورتوں میں سے ایک سورت کا نام ہی سورہ الامثال ہے۔

مقاصد تحقیق

- امثال القرآن کی اہمیت اور اس کی حکمتوں کی نشاندہی کرنا
- قرآن فہمی میں امثال القرآن کی مختلف جہات کا تجزیہ کرنا
- امثال قرآن کی عصری معنویت اور اثرات کا جائزہ لینا
- قران مجید میں مذکورہ امثلہ کے مقاصد کی تلاش کرنا

تحقیق سے متعلق بنیادی سوالات

- قرآن مجید میں امثال کو بیان کرنے کے مقاصد کیاہیں؟

- قرآن کریم میں کن مسائل کے فہم میں امثلہ بیان کی گئی ہیں؟
- قرآنی امثال کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
- قرآنی امثال کی عصری معنویت کو کس طرح دریافت کیا جاسکتا ہے؟
- قرآن مثالوں سے استفادہ کیسے ممکن ہے؟

تحدید موضوع

یہ موضوع قرآنی امثلہ تک محدود رہے گا۔ ان نصوص سے استفادہ کیا گیا ہے جن میں قرآن کی امثلہ بیان ہوئی ہیں۔ مزید تفہیم امثلہ کو واضح کرنے کے لیے جدید سماجی علوم اور دعوتی علوم سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اسلوب تحقیق

- تحقیق میں تجزیاتی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق

- تحقیق میں حتی الامکان بنیادی مصادر جیسے تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر سے استفادہ کیا گیا ہے اور ضرورت کے تحت ثانوی مصادر جیسے تفسیر تدبر قرآن، بیان القرآن، (امثال القرآن) الشیخ مکارم شیر ازی، مولانا دلاور سلفی، خالد محمود صاحب اور امام ابن القیم الجوزی جیسے مصنفین کی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے.
- جدید تحقیق کے ذرائع اسلامی سوفٹ ویئرز (مکتبہ الشاملہ، محدث فورم) اور برقی رسائل و جرائد سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- حوالہ جات کے لئے NUML کے منظور شدہ Format کو اختیار کیا گیا ہے۔

موضوع پر سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

مقالہ جات

۱. امثال الحدیث، عبر و نصائح صحاح ستہ کا مطالعہ، (۲۰۰۳) مقالہ نگار: حافظ محمد کریم، نگران مقالہ: ڈاکٹر سعد صدیقی پنجاب یونیورسٹی

مقالہ میں صحاح ستہ کی روشنی میں امثلہ احادیث میں پائی جانے والی عبر و نصائح کی وضاحت کی گئی ہے۔

کتب

۱. عبد الرحمن حسن حنبکہ، امثال القرآن وصور من ادبہ الرفیع، دار القلم دمشق، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۲م

۲. الحکیم الترمذی، محمد بن علی، الامثال من الکتاب والسنۃ، دار بن زیدون بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷م

۳. مولانا خالد محمود، امثال القرآن، بیت العلوم لاہور ۲۰۱۰

۴. قاری محمّد دلاور سلفی، امثال القرآن، پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور ۲۰۰۹

امثال القرآن کی مذکورہ کتب میں قرآنی امثلہ کے قواعد، تطبیقات، تشریح توضیح اور ادبی پہلو پر کام کیا گیا ہے۔

آرٹیکلز

۲. امثال القرآن کی ضرورت واہمیت: ڈاکٹر سید باچا آغا اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ، راحت القلوب / جلد ۱، شمارہ ۱، ۲۰۱۷

۳. تفہیم القرآن کی تمثیلات وتشبیہات ایک انتخاب: ڈاکٹر محمد جنید ندوی اسسٹنٹ پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔

آرٹیکلز میں امثال قرآن کی ضرورت اور اہمیت واضح کی گئی ہے اور منتخب تفسیر تفہیم القرآن کی روشنی میں چند امثلہ ذکر کی گئی ہیں۔

تحقیق میں موجود خلا

زیر تحقیق موضوع مذکورہ بالا پہلوؤں سے مختلف ہے اور اس امر کی ضرورت بھی ہے کہ حالات کے ساتھ موافقت کے اعتبار سے فہم قرآن اور دعوتی میدان میں قرآنی امثلہ کی ضرورت واہمیت اور اثرات کو واضح کیا جائے۔ اس مقالہ میں قرآنی امثلہ کی مختلف جہات کو واضح کیا گیا ہے اور عصر حاضر میں دعوتی اسلوب میں یہ کس طرح موثر ہو سکتی ہیں۔ اس جدید دور میں ان کی عصری معنویت کو دریافت کرنا نہایت مفید ہے۔

باب اول

امثال القرآن کا مفہوم اور حکمتیں

فصل اول: امثال القرآن کا مفہوم اور اس کی اہمیت

فصل دوم: امثال القرآن: فوائد، حکمتیں اور مقاصد

فصل سوم: امثال القرآن: اقسام اور دائرہ کار

فصل اول: امثال القرآن کا مفہوم اوراس کی اہمیت

امثال القرآن کا لغوی واصطلاحی معنی و مفہوم

مثل یامثال عربی زبان کا لفظ ہے جس کی جمع امثال ہے۔اس کو مَثَلَ، مَثِلَ، مَثِیْل تینوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔یہ لفظی اور معنوی دونوں لحاظ سے شبہ، یشبہ، تشبیہ کی طرح باب تفعیل کا صیغہ ہے۔اس کا عام استعمال اردو میں ''ضرب المثل'' کے معنی میں ہوتا ہے اور بطور استعارہ کسی حالت کے بیان کو بھی کہتے ہیں (۱)

اس کے علاوہ لفظ امثال درج ذیل مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مانند، نظیر، کہاوت، افسانہ، مشہور، قول، تشبیہ، عبرت، روایت، معیار، نمونہ، صفت، بات، دلیل، مقدار، ہم صورت، ہم شکل، کہانی، داستان، یکساں، موافق، تصویر، ویسا ہی، حکایت اور صورت (۲)

ابن منظور کہتے ہیں:

مثل کا کلمہ ''تسویہ''یعنی برابری کے لیے بھی آتا ہے۔جیسا کہ یہ اس کی مثل ہے۔جس طرح کہا جاتا ہے شبہ یا شبیہ، مثل اور مثیل کا لفظ بھی مثل ہی کی مانند مستعمل ہے اس کی جمع امثال آتی ہے (۳)

علامہ جوہری کہتے ہیں:

کسی شے کی مثال بیان کرنا اس کی صفت بیان کرنا بھی ہوتا ہے۔جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں کی مثال یا صفت بیان کی۔مثال بعض اوقات ''عبرت'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات ''نشانی'' کے معنی میں اور عبرت کے معنی میں وہ بطور دلیل لاتے ہیں۔

﴿فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ﴾ (۴)

ہم نے ان کو ایک قصہ پارینہ اور نمونہ عبرت بنادیا پچھلوں کے لئے۔

بطور لفظ نشانی کے استدلال کے لیے علامہ جوہری اس آیت کو دلیل دیتے ہیں۔جیسا کہ اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰؑ کی صفت اور نشانی بیان کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرمایا:

۱۔ النسفی، عبداللہ بن احمد ''مدارک التنزیل حقائق التاویل'' دارالکلم الطیب بیروت، ص:۷۵

۲۔ زبیدی، محمد مرتضی، ابوفیض، تاج العروس، من جواہر القاموس، مطبوعہ دارالفکر، بیروت لبنان، ۱۹۹۴ء، ۶۱۰/۱۱

۳۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت لبنان، ۱۹۹۵ء، ۶۱۰/۱۱

۴۔ الزخرف:۵۶/۴۳

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ (۱)

عیسیٰ (علیہ السلام) بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت بنایا۔

یعنی ایسی آیت اور نشانی جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتی ہے۔

اور مثل کا معنی "صفت" کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (۲)

پرہیز گاروں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

یہاں مَثَلُ الْجَنَّة کے الفاظ صفة الجنة کے ہم وزن ہیں (۳)

مِثل یا مَثَل دونوں جب قرآن میں آتے ہیں تو ان کا مطلب جملوں یا عبارت میں کسی چیز کا وصف بیان کرنا ہوتا ہے۔ اس چیز کے اوصاف کو اس عبارت کے ذریعے پوری مثال یا ہیئت کے طور پر بیان کر دیئے جاتے ہیں۔

امام قرطبی کہتے ہیں:

اَلْمِثَلُ، والمَثَلُ، والمِثْيلُ ایک ہی چیز ہے۔ جس کا معنی شبہ یعنی شباہت اور تشابہ ومتماثل ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل اللغۃ نے بیان کیا ہے (۴)

لفظ مثال تشبیہ کے قائم مقام ہے، یعنی کسی ایسے عنصر کی موجودگی میں جو دونوں میں باہم ملتا جلتا ہو۔ ایک چیز کو دوسری کے ساتھ تشبیہ دینا۔ یا ایک سے زیادہ عناصر کی وجہ سے دونوں میں مماثلث بیان کرنا ممکن ہو۔ یہ باہم مماثلث کا عمل سادہ بھی ہو سکتا ہے اور مرکب بھی۔

اصطلاحی معنی

اصطلاحی طور پر لفظ مثل اور مثال مختلف مفاہیم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

- کسی غیر واضح اور غیر محسوس چیز کو واضح اور محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا۔
- نگاہوں سے اوجھل چیز کا موجود شے کے ذریعے استعارہ کے ساتھ مشاہدہ کروانا۔
- سانچا یا نمونہ یا ناپ جس کے ذریعے کوئی چیز بنائی جائے۔

۱۔ الزخرف: ۵۹/۴۳

۲۔ محمد: ۱۵/۴۷

۳۔ امام اللغوی مجد الدین الفیروز آبادی، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالت، بیروت، لبنان، ۱۹۹۷، ۱۰۵۶/۱

۴۔ القرطبی، محمد بن ابی بکر، ابو عبداللہ، الجامع الاحکام القرآن، ۱، مؤسسۃ الرسالۃ، ص: ۳۲۰

- کوئی حقیقی یا فرضی واقعہ جو عبرت و نصیحت کے طور پر بیان کیا جائے۔
- کوئی مشہور قول یا بات جس سے کوئی عبرت یا نصیحت حاصل کی جائے[1]

مثل کے لفظ کو اصطلاحی اعتبار سے مختلف علمائے بلاغت نے بیان کیا ہے۔

یہ علم البیان کی اصطلاحی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ جو کسی معنی کو وضاحت کے ساتھ پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اس کی تراکیب مختلف لحاظ سے مکمل ہوتی ہیں۔ "مثل" میں چار اشیاء جمع ہوتی ہیں، جو ایجاز کلام کے الفاظ میں، معنی کے درست ہونے میں، اعلیٰ تشبیہ اور بہترین کنایہ جیسی خوبیوں کے ساتھ کسی اور چیز میں نہیں پائی جاتیں۔ یہی بات بلاغت کی انتہاء ہے[2]

علامہ ابن القیم قرآن میں "امثال" کے متعلق اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو تشبیہ اس کے متعلق دی جاتی ہے۔ اور معقول کو محسوس کے ساتھ قریب کیا جاتا ہے۔ یا محسوسات اشیاء میں سے ایک کو کسی دوسرے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک چیز کا بیان دوسری چیز کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے زیادہ تر امثلہ واضح تشبیہ کے طریق کے ساتھ وارد ہوتی ہیں۔ جیسا رب العزت کا فرمان ہے۔

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ﴾[3]

ترجمہ: پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔

اور اسی طرح اللہ نے قرآن میں منافقین کے متعلق فرمایا:

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ (17) صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (18)اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (19)يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[4]

ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انہیں کچھ

۱۔ لسان العرب، ۱۱/۶۱۳

۲۔ المیدانی، ابرہیم نیشاپوری، مجمع الامثال، مکتبہ السنۃ المعمدیۃ، دارالمعرفۃ البیروت، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷م، ۱/۵

۳۔ یونس: ۱۰/۲۴

۴۔ البقرۃ: ۲/۱۷۔۲۰

نظر نہیں آتا. یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اب نہ پلٹیں گے. یا پھر ان کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ اندھیری گھٹا اور کڑک اور چمک بھی ہے، یہ بجلی کے کڑاکے سن کے اپنی جانوں کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ ان منکرین حق کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ چمک سے ان کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ گویا عنقریب بجلی ان کی بصارت اچک لے جائے گی۔ جب ذرا کچھ روشنی انہیں محسوس ہوتی ہے تو اس میں کچھ دور چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل سلب کر لیتا، یقیناوہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالی نے منافقین کے لیے ان کے حال کے مطابق دوطرح کی امثلہ بیان کی ہیں۔ ایک آگ کی مثال اور دوسری پانی کی مثال۔

پانی روشنی اور دھوپ زندگی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اور بے شک آگ کا مادہ نور سے ہے [۱]

"مثل" کا لفظ اپنے غیر کے لیے وضع کیا گیا مرکب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کے لیے یہ لفظ بیان کیا گیا ہو اس کے لیے مشابہت کا تعلق بھی پایا جائے اور اس کا محل و مقام کسی ایسے قرینہ مانع کے ساتھ بیان کیا گیا ہو جس سے مراد اس کا اصلی معنی لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ علمائے بلاغت نے استعارہ التمثیلیہ اور التشبیہ التمثیلی کو بھی امثال کے لیے استعمال کیا ہے۔

علامہ جرجانی ان کے درمیان عموم اور خصوص کے تعلق کی تحدید کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ پس تو جان لے کہ بے شک تشبیہ عام ہے اور تمثیل اس سے زیادہ خاص ہے پس ہر تمثیل تشبیہ ہے اور اس کا عکس نہیں ہے کہ ہر تشبیہ تمثیل ہے [۲]

امثال القرآن کی ضرورت واہمیت

اسلام کے ابتدائی دور ہی سے مسلم علماء نے قرآن مجید میں مذکور حقائق و معارف بیان کرتے رہے ہیں۔ جو آیات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بارے اور کائنات کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ یہ کام صحابہ کرامؓ کے ذریعے مسجد نبوی اور مسجد حرام ہی میں شروع ہوا۔ پھر ان کے تلامذہ تابعین، تبع تابعین اور بعض صحابہ کرام جو عراق، مصر وشام میں گئے۔ وہاں مساجد میں ان تعلیمات کی ترویج کرتے رہے۔ اس طرح یہ علوم و معارف وسیع ہوئے گئے اور بہت سے علوم متعارف ہوئے جیسے لغت، بیان عقیدہ و تفسیر وغیرہ۔ اور امثال بھی اسی علمی میراث میں سے ہیں۔ قرآن حکیم احکام کی طرح

۱۔ ابن القیم الجوزیۃ، شمس الدین، الامثال فی القرآن الکریم، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان ۱۴۰۳، ۱۹۸۳، ۲/۱۵

۲۔ الجرجانی، عبد القادر بن عبد الرحمٰن بن محمد، اسرار البلاغۃ، مطبعۃ المدنی، القاہرہ، ص: ۹۴

شریعت، تربیت اور ہدایت واصلاح کی کتاب ہے۔ جو تمام دینی ودنیاوی میدانوں میں اثرانداز ہے۔ قرآنی امثلہ پوری تہذیب کی آئینہ دار ہیں جن میں انسان کی عبرت پزیری کا پوراسامان موجود ہے۔ یہ امثال انسان کو موجودات عالم میں پوشیدہ اسرار میں فکر کی دعوت بھی دیتی ہیں تاکہ انسان گزرتے زمانوں کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی کو بہترین اسلوب پر گزار سکے۔ یہ امثال علمی میدان میں تذکر وتفکر کے اصولوں کی نشاندہی بھی کرتی رہیں۔ یہی وجہ ہے آج بہترین نظام تعلیم اسے سمجھا جاتا ہے جہاں مسائل کی تفہیم کے لیے امثلہ سے کام لیا جاتا ہو۔ کسی Concept کو واضح کرنے کے لیے امثال سے بہتر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ اسی لیے علماء نے قرآن مجید کے بڑے علوم میں سے ایک علم امثال کو بھی بیان کیا ہے۔

امثال القرآن کی اہمیت کو ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم ترمذی یوں بیان کرتے ہیں:

”واضح ہو کہ ضرب الامثال اس کے لیے ہیں جس سے اشیاء غائب وپوشیدہ ہوں چونکہ بندے امثال کے محتاج ہوتے ہیں، جب ان پر اشیاء واضح نہ ہوں تو اللہ نے ان کے لیے امثال بیان کی ہیں۔ تاکہ وہ ان اشیاء کی حقیقت کو پالیں جو ان سے پوشیدہ ومخفی ہیں اور اللہ سے زمین وآسمان ی کوئی چیز مخفی نہیں اس لئے وہ امثال کا محتاج نہیں“[۱]

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ لہوولعب سے خوش رہتا ہے۔ لیکن جب اسے کوئی نیکی، اصلاح اور عبرت کی بات کی جائے تو اس کی طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔ آپ سارا دن بیٹھے گپیں لگاتے رہیں۔ جھوٹے قصے کہانیاں لوگوں کو سناتے رہیں کوئی آپ پر اعتراض نہیں کرے گا۔ لیکن جیسے ہی کوئی اصلاح، نیکی اور عبرت کی بات کریں تو لوگ اکتاہٹ محسوس کرنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کی اسی فطرت کے پیش نظر اللہ نے جب اپنی آخری کتاب قرآن مجید نازل کی تو اس میں لوگوں کی توجہ دلانے اور شوق ابھارنے کے لیے، بات سمجھانے کے لیے امثلہ کا اسلوب اپنایا تاکہ لوگ شعوری طور پر اور دلچسپ انداز سے قرآن کا مطلوب حاصل کرلیں، جیسے ایمان نہ لانے والوں کی حیثیت اللہ کے نزدیک کیسی ہے، کس احسن انداز سے بتایا ہے۔

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾[۲]

۱۔ الحکیم الترمذی، محمد بن علی، ابوعبداللہ، الامثال من الکتاب والسنۃ،، دار بن زیدون بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷م، ص:۱۴

۲۔ البقرۃ:۲/۱۷۱

ترجمہ: یہ لوگ جنھوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے انکار کر دیا ہے ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

اسی طرح اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب کس خوبصورتی سے دی کہ انسان خوشی سے عمل پر آمادہ ہو جائے۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[۱]

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانا بویا جائے اور اس کے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔

اللہ نے قرآن مجید میں بہت سے مثالیں بیان کی ہیں، جن سے ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، حتی کہ لغت میں بھی ان مثالوں کو بلند مقام حاصل ہے، ان امثال کے ذریعے مخاطب کو قائل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے اشکالات دور کیے جا سکتے ہیں۔ اور بات جلد سمجھ آجاتی ہے۔ قرآن امثلہ عمیق معنی اور حکمت پر مبنی ہیں۔ ان میں واضح دلائل موجود ہیں۔ یہ امثلہ کسی خاص شخص کا ذکر کیے بنا اشارۃ سب کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ جن کا اطلاق ہر زمانے کے لوگوں پر اور ہر حالات میں ہو سکتا ہے۔

رسول ﷺ سے جب کوئی سوال کیا جاتا تو آپ ﷺ مثال کے ذریعے واضح کرتے۔ اس سے بھی امثال کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ علامہ عبدالحق حقانی لکھتے ہیں:

"امثال کے بیان کرنے سے دل میں معانی کا عمدہ طور پر جما دینا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک خیالی اور معنوی بات کو محسوس بنا کر دکھا دیا جاتا ہے۔ جیسے کسی کا ضعف یوں ہی بیان کر دیا جائے تو اسقدر موثر نہیں ہوتا جس قدر اس کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے"[۲]

یہی وجہ ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾[۳]

یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت پر) غور کریں۔

۱۔ البقرۃ:۲/۲۶۱

۲۔ عبدالحق حقانی دہلوی، مولانا، تفسیر فتح المنان، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، ۲۰۱۶، ص:۲۹۳

۳۔ الحشر:۵۹/۲۱

اسی طرح قرآنی امثلہ تفکر کے ساتھ تذکیر کا بھی اعلی شاہکار ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (۱)

ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مثالیں اس لیے بیان کی کہ اس میں بے شمار عبر و نصائح پنہاں ہیں۔ ان کی روشنی میں ہم اپنا حال بہتر بنا سکتے ہیں۔ اور مستقبل کے لیے ایک روشن لائحہ عمل تیار کر سکتے ہیں۔

امثال القرآن میں سے سب سے زیادہ اہمیت اور بلند مقام امثال الایمانیات کو ہے۔ جن میں ایمان کے ارکان بیان کیے گئے ہیں۔ جو دین کی اساس ہیں، ان کے ذریعے ہم معرفت الٰہی حاصل کر سکتے ہیں، اور اپنے ایمان کو مزین کر سکتے ہیں۔ امام شافعی نے ایک مجتہد کے لیے علوم القرآن میں سے دعوتی اعتبار سے مثالوں کو جاننا واجب قرار دیا ہے۔ جو مثالیں معرفت الٰہی اور اطاعت کے حکم پر دلالت کرتی ہیں۔ گناہوں کو چھوڑنے اور غفلت سے اجتناب پر مشتمل ان کو جاننا ضروری ہے (۲)

دعوت کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جس کو دعوت دی جائے اس کی اصلاح مقصود ہو۔ جو وسائل اس کی حالت کے مطابق ہیں ان کے ذریعے اس کو سیدھے راستے کی تلقین کی جائے۔ اللہ نے دعوت کا کام امت مسلمہ کو بطور امانت تفویض کیا ہے۔ کہ وہ دین کا پیغام صحیح معنی و مفہوم کے ساتھ اللہ کے بندوں کو پہنچا دیں۔ داعی دین کے پاس اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے اللہ نے دو ذرائع دیئے ہیں، ایک کتاب اللہ اور دوسرا سنت رسول ﷺ، کتاب اللہ میں قرآنی امثلہ اس کی بہترین مددگار ثابت ہو سکتی ہیں اس لیے داعی کے لیے از حد ضروری ہے کہ وہ ان مثالوں سے آگاہی اور مہارت رکھتا ہو۔ تاکہ اپنا فریضہ احسن طریقے سے سرانجام دے سکے۔

امثال القرآن خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ ہر مثال میں لوگوں کے لیے علم کا ذخیرہ چھپا ہوا ہے۔ اللہ نے قرآن میں آخرت کے تصور کو واضح کرنے کے لیے دنیاوی چیزوں کی مثالیں دی ہیں۔ ہمارے نیک اور اعمال بد کس طرح فائدہ و نقصان کا موجب بنتے ہیں ان کو سمجھانے کے لیے ان چیزوں کی مثالیں دی جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ امثال معانی کو اشخاص کے لیے نمایاں کر دے تو بندے کے لیے ایک غیر موجود چیز موجود کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان بات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ سمجھ اتنی منازل طے کر لیتی ہے کہ دلائل بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔

۱۔ ابرہیم: ۲۵/۱۴

۲۔ الجربوع، عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، الامثال القرآنیۃ القیاسیۃ المضروبۃ الایمان باللہ، مکتبۃ الملک، عہد الوطنیۃ، مدینہ منورہ، ۱۴۲۴ھ

قرآن مجید میں ہے:

﴿حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِه وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾[۱]

یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔

اب اس سے ہم ایمان اور شرک کی حیثیت جان سکتے ہیں، انسانی آنکھ آسمان کی وسعت کا اندازہ لگا سکتی ہے۔ کہ ایمان انسان کو عزت ورفعت کی اعلیٰ منازل تک پہنچا دیتا ہے۔ تو کفر پامال بھی کر سکتا ہے۔ قرآن کے بڑے علموں میں سے امثال کا علم ہے۔ جتنا مثال دینے والا عظیم ہوتا ہے۔ اتنی ہی مثال عظیم ہوتی ہے۔

شیخ عزالدین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مثالیں اس لیے وارد کی ہیں کہ وہ بندوں کو یاددہانی اور نصیحت کا فائدہ دیں۔ چنانچہ مشتمل امثال میں جو باتیں ثواب میں تفاوت رکھیں یا کسی عمل کے ضائع کیے جانے یا کسی مدح وذم وغیرہ امور پر شامل ہیں وہ احکام پر دلالت کرتی ہیں[۲]

کہ اہل عرب کی ضرب الامثال اور علماء کے نظائر پیش کرنے کی ایک خاص شان ہے جو مخفی نہیں رہ سکتی اس لیے کہ یہ باتیں مخفی باریکیوں کو ظاہر اور حقیقتوں کے چہرے سے نقاب دور کرنے میں بہت بڑا اثر رکھتی ہیں۔ اور خیالی امور کو تحقیقی باتوں کی صورت میں عیاں کرنا اور وہم کو یقین کا درجہ دینا اور غائب کو مشاہد کے درجے پر فائز کر دیتا ہے[۳]

ضرب الامثال ایسی چیز ہیں جو سخت جھگڑالو اور مخالف بندہ کو ساکت کر دیتی ہیں، شریر کے شر کا قلع قمع کر ڈالتی ہیں۔ یہ انسان پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ انسانی ضمیر ہدایت کی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور اپنی تمام کتب منزلہ میں ضرب الامثال کو بکثرت نازل کیا، انجیل کی سورتوں میں سے ایک سورۃ کا نام سورۃ الامثال ہے، رسول ﷺ اور دیگر انبیاء کرام اور حکماء کے کلام میں اس کی کثرت پائی جاتی ہے۔ اعلیٰ قسم کے حقائق اپنے معانی اور اہداف کے لحاظ سے اس وقت بہت عمدہ صورت اختیار کر لیتے ہیں جب انہیں خوبصورت سانچے میں ڈھالا جائے۔ تمثیل وہ سانچہ ہے۔ جس سے معانی ومفاہیم ایک زندہ صورت کی شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں۔ اس میں غائب چیز کو حاضر اور موجود چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ عقل میں آنے والی چیز کو محسوس بنا دیا جاتا ہے۔

۱۔ الحج:۲۲/۳۱

۲۔ السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، علامہ جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، لاہور مکتبہ العلم، ۲۹۷/۳

۳۔ ایضاً: ص:۲۰۴

قرآن کی خوبصورت امثلہ انسانی دل پر اسطرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ نفس اسے قبول کیے بناء رہ ہی نہیں سکتا۔ عقل اس پر قناعت کر لیتی ہے۔ یہ مثالیں نہ صرف قرآنی طرز بیان کا ایک انداز ہیں بلکہ قرآن کریم کا معجزہ ہیں، انسان کو نصیحت کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے۔ یہ امثال نصیحت کے ایسے انداز ہیں۔ جو دل پر اثر کرتے ہیں ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

بعض امثال احکامات سے تعلق رکھتی ہیں۔ قرآن پاک کے مضامین حلال و حرام، محکم متشابہ اور امثال پر مشتمل ہیں۔ حرام سے بچنے کا حکم، حلال پر عمل کرنے کا، محکم کی اتباع متشابہ پر ایماں اور امثال سے عبرت حاصل کرنے کا فرمان ہوا ہے۔ امثال القرآن کا تجزیہ کیا جائے تو ہر مثل اپنے اندر وسعتیں رکھتی ہے۔ عقل جلد قبول کرتی ہے اور معنی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

جیسے سورۃ بقرہ کی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾(۱)

مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔

اس مثال میں سود خوروں کا حال بیان ہوا ہے۔ اصل میں حلال و پاک غذا جسم کا حصہ بن کر بندہ میں ایمان و طاعت کا مادہ پیدا کرتی ہے۔ حلال غذا سے ہی اللہ عبادت کی توفیق دیتا ہے۔ حرام غذا سے بظاہر انسان کھڑا ہو، چلتا پھرتا ہو لیکن باطنی اعتبار سے بے چین ہوتا ہے۔ ایک مخبوط الحواس شخص کی طرح لڑکھڑاتا پھرتا ہے۔ سکون سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ امثال حقائق بیان کرتی ہیں امثال دلوں میں اتر جاتی ہیں جس کی وجہ سے وعظ و نصیحت کے اعتبار سے کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ امثال القرآن تربیتی وسائل کا درجہ رکھتی ہیں۔ کسی روحانی تربیت میں بہت اثر انگیزی ہوتی ہے، وضاحتی اور شوق پیدا کرنے والے وسائل کی حامل ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانی تربیت اور ترغیب کے لیے یہ خوبصورت امثال بیان فرمائی ہیں۔ جو شخص بھی غور و فکر کرے اور جستجو کرے وہ نصیحت حاصل کیے بناء نہیں رہ سکتا۔

امثال کی اہمیت میں امام ماوردی فرماتے ہیں:

مِنْ أَعْظَمِ عِلْمِ الْقُرْآنِ عِلْمُ أَمْثَالِهِ وَالنَّاسُ فِي غَفْلَةٍ عَنْهُ لِاشْتِغَالِهِمْ بِالْأَمْثَالِ وَإِغْفَالِهِمُ الْمُمَثَّلَاتِ وَالْمَثَلُ بِلَا مُمَثَّلٍ كَالْفَرَسِ بِلَا لِجَامٍ وَالنَّاقَةِ بِلَا زِمَامٍ.(۲)

علوم القرآن کے عظیم علوم میں سے علم الامثال بھی ہے۔ لیکن لوگ اس سے اور اس کے ممثلات سے غافل ہیں، اس لیے کہ وہ امثال میں ہی پھنسے رہ جاتے ہیں جن امور کی نسبت وہ مثالیں دی گئی ہیں ان کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ اور مثال بغیر ممثل کے ایسے ہے جیسے گھوڑا بغیر لگام کے اور اونٹنی بغیر نکیل کے ہو۔

۱۔ البقرۃ:۲/۲۷۵

۲۔ سیوطی عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، الھئیۃ المصریۃ العامۃ لکتاب، ۱۳۹۴ھ، ۱۹۷۴م، ۴/۴۴

امثال کو کلام میں بلند مقام حاصل ہے۔ اس کے معانی تک پہنچنے تک کانوں کے لیے اس کی تاثیر بہت اچھی ہوتی ہے۔

مختصراً یہ کہ قرآن کریم دنیا کی تمام کتابوں میں ایک منفرد کتاب ہے۔ یہ بہ یک وقت آسان اور فہم کے مطابق بھی ہے اور مشکل بھی۔ سہل فہم ہونے کی وجہ سے صحابہؓ کے قلوب میں داخل ہو کر ان کی سیرت و کردار میں بے مثال انقلاب پیدا کرنے کی وجہ بنی۔ مشکل ہونے کی بناء پر عربوں جیسی فصیح اللسان قوم کو اس کے بعض اشاروں اور کنایوں کے فہم میں دشواری پید کرنے کا موجب بھی بنی۔

قرآن حکیم، پوری زندگی پر مشتمل الہامی تعلیمات کا آخری جامع مجموعہ ہے قصص وامثال، حکایات اور نصائح اس کا ایک حصہ ہے۔ اس میں سعادت دارین کے بے مثال اصول امثال کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں۔ اگرچہ ساری آسمانی کتب نور ہیں لیکن قرآن کو اللہ نے خود نور کہہ کر پکارا ہے، جس کے سامنے کفر و شرک کے تمام اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اور ایمان کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ کلام اس قدر باحکمت ہے کہ اس کی حکمتوں کا احاطہ کوئی انسانی قلم یا زبان نہیں کر سکتا۔

قرآنی امثلہ میں غور و فکر کے بعد اس میں وہی لوگ فہم حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنے قلب میں عقل کے ساتھ وہی لوگ اس کی تطبیق کرتے ہیں جو حقیقی اہل علم ہیں، علم ان کی قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے اللہ نے قرآن میں جو امثال بیان کی ہیں وہ بڑے بڑے امور، مطالب عالیہ اور مسائل جلیلہ کے حوالہ سے بیان کی ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ ضرب الامثال دیگر اسالیب بیان سے زیادہ اہم ہیں، کیونکہ اللہ نے خود ان کو درخور اعتناء قرار دیا ہے اور اپنے بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ ان میں غور و فکر کریں۔ اور ان کی معرفت حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں۔

رہا وہ شخص جو ضرب الامثال کی اہمیت کے باوجود ان کو نہیں سمجھتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے۔ وہ اہل علم میں سے نہیں کیونکہ جب وہ اہم مسائل کی معرفت نہیں رکھتا تو غیر اہم مسائل میں اس کی عدم معرفت زیادہ اولیٰ ہے، اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر اصول دین میں ضرب الامثال استعمال کی ہیں۔

فصل دوم: امثال القرآن: فوائد، حکمتیں اور مقاصد

امثال القرآن کی حکمتیں

قرآن کو انسان کی شخصی، اجتماعی اور معاشرتی اصلاح کئے لیے نازل کیا گیا ہے۔ قرآن میں احکام بھی بیان کیے گئے ہیں اور قصص وواقعات بھی لغت، ادب قانون اور حکمت جیسے تمام علوم کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ جو انسان کے لیے نفع بخش ہیں۔ اسی طرح لوگوں کو سمجھانے کے لیے امثال اور ان کی حکم بھی بیان کی گئی ہیں۔ قرآن کریم میں مذکور امثال ان مثالوں کی طرح نہیں ہیں جو عام لوگ، ادباء اور شعراء اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ بلکہ یہ امثال، بلند، حکمت، سچائی اور حقیقت پر مشتمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو مثالیں بیان کی ان کو بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں، غوروفکر کریں اور عبرت حاصل کریں۔ امثال قرآنیہ میں انسان کے لیے ہدایت اور علم نافع ہے۔

قرآن مجید میں امثال جن بھی معاملات کے بارے میں آئی ہیں وہ لوگوں کے احوال سے مشابہت رکھتی ہیں۔ کہ لوگ جان سکیں کہ ان حالات میں کیا کیا جائے یا زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ان امثال کو دوسرے معاملات پر قیاس کر سکیں۔

قرآن میں آتا ہے:

﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾(۱)

یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت پر) غور کریں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾(۲)

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔

یہ مثالیں غوروفکر کرنے کے لیے دی جاتی ہیں تاکہ لوگ سوچ وبچار کریں، اور نصیحت حاصل کریں۔

تمثیل میں کسی معنی کو حسی صورت میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ مخاطب کے ذہن میں واضح ہو جاتے ہیں۔ جیسے مثال بیان کرتے وقت غائب کو حاضر سے تشبیہ دی جائے۔ اور معقول کو محسوس کے ساتھ۔ قرآنی مثالیں اس لیے دی جاتی ہیں کہ مخاطب کو قائل کیا جائے وہ یقین کی اعلیٰ سطح پر چلا جائے اور نفوس اس کو قبول کریں۔ یہ امثال بیان کرنا

۱۔ الحشر:۵۹/۲۱

۲۔ الزمر:۳۹/۲۷

قرآن کریم کے اسالیب میں سے ہے۔ قرآنی مثالیں اسقدر حکم واسرار سے بھرپور ہیں کہ علماء نے قرآنی مثالوں پر الگ سے کتابیں لکھیں۔ بعض نے اپنی کتاب میں امثال کے لیے ایک باب مختص کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾[1]

یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں، مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

سلف صالحین میں سے بعض جو قرآن میں امثال اور ان کی حکم، تشریحاتِ توحید اور قصص کو سمجھنے کی بہت کوشش کرتے تھے وہ ان مثالوں کو پڑھتے اور سمجھ میں نہ آتیں تو رونے لگ جاتے۔ کیونکہ وہ کہتے کہ اللہ نے فرمایا کہ ان امثال کو عقلمند اور علم والے سمجھتے ہیں۔ اور وہ ان میں سے نہیں جو ان مثالوں کو جانتے ہوں۔

اللہ نے قرآن میں بے شمار مثالیں بیان کی ہیں۔ انسان کے دل کی مثال کہ وہ ہدایت نہ پاکر پتھر یا پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ مچھر کی مثال بیان کی جو حکم سے بھرپور ہے۔ مچھر جیسی کمزور مخلوق نے نمرود جیسے طاقتور خدائی کا دعویٰ کرنے والے کا خاتمہ کیا۔ اللہ نے نمرود کو ہلاک کرنے کے لیے، عبرت کا نشان بنانے کے لیے کسی طاقتور مخلوق کا انتخاب نہیں کیا بلکہ مچھر کا بھیجا جس نے اس کے دماغ میں گھس کر اس کو کھالیا۔

ابرھہ کا لشکر جو ہاتھیوں سے لیس ہو کر خانہ کعبہ ڈھانے آیا تھا اس کا خاتمہ ابابیل کے ذریعے کروایا۔ جو سائز اور جسامت میں ہاتھیوں سے کئی گنا چھوٹے تھے۔ اللہ نے انسانوں کو سمجھانے کے لیے کئی طرح سے مثالیں دی اللہ والے اور علم والے تو عبرت پکڑ گئے اور مقصود الٰہی کو پالیا۔ لیکن منافق اور کافر جن کے دل پتھر کی طرح سخت، تالے لگے ہوئے اور غفلت میں ڈوبے ہوئے وہ ان مثالوں پر اعتراض کرنے لگے۔ گویا کہ کتاب اللہ میں شک وشبہ کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾[2]

ہاں، اللہ اس سے ہرگز نہیں شرماتا کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر تر کسی چیز کی تمثیلیں دے۔ جو لوگ حق بات کو قبول کرنے والے ہیں، وہ انہی تمثیلوں کو دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ حق ہے جو ان کے رب ہی کی طرف سے آیا ہے، اور جو ماننے والے نہیں ہیں، وہ انہیں سن کر کہنے لگتے ہیں کہ ایسی

۱۔ العنکبوت:۲۹/۴۳

۲۔ البقرۃ:۲/۲۶

تمثیلوں سے اللہ کو کیا سروکار؟ اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔ اور گمراہی میں وہ انہی کو مبتلا کرتا ہے، جو فاسق ہیں۔

مچھر، مکھی، مکڑی کی مثال بیان کرنے سے اللہ کی شان میں کمی واقع نہیں ہوتی مثال تو حق کو واضح کرنے اور حقائق کو ثابت کرنے کے لیے دی جاتی ہے، کچھ لوگ تو فوراً مثال کو سمجھ لیتے ہیں۔ جو ان کے ایمان میں اضافہ اور یقین میں پختگی کا سبب بنتی ہے، اور منافق وفاسق ان مثالوں سے مزید گمراہ ہو جاتے ہے، گویا کہ مثال بیان کرنے سے ایمان اور نفاق کی جانچ پڑتال ہو جاتی ہے۔ جنت تو مخلص اور ایمان والوں کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ مثال نصیحت، تفکر و تدبر کے لیے بیان کی ہیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان مثالوں کو سمجھے اور ان پر تدبر کرے۔

ابن القیم فرماتے ہیں کہ "جو کوئی ان مثالوں کو نہ سمجھے اور ان میں تدبر نہ کرے، ان کی مراد کو نہ جانے تو وہ ہم میں سے نہیں"[۱]

حکم امثلہ کو اس حدیث کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«عن أبي هريرة رضي الله ان القرآن نزل على خمسة أوجه حلال وحرام ومحكم ومتشابه وأمثال فاعلموا بالحلال واجتنبوا الحرام واتبعوا المحكم وآمنوا بالمتشابه واعتبروا بالأمثال»[۲]

ابوہریرہؓ سے روایت ہے قرآن پانچ وجوہ پر نازل ہوا، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال پر پس تم حلال پر عمل کرو، حرام سے اجتناب کرو، محکم کی اتباع کرو متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے عبرت و نصیحت حاصل کرو۔

ریسرچ سے معلوم ہوا ہے کہ مچھر کی مثال کس قدر مؤثر اور موزوں ہے۔ اگر مچھر ضرورت سے زیادہ انسانی خون پی لے یعنی پیٹ بھر کر تو وہ مر جاتا ہے۔ جب تک خالی پیٹ رہتا ہے زندگی اس کا مقدر ہوتی ہے۔ خون پی کر بچنے کے لیے اڑنا ہوتا ہے۔ اور مچھر پیٹ بھر کر خون پی لے تو وہ اڑ نہیں سکتا اس کو ہم دنیاوی مفاد سے بہتر طور پر عصر حاضر میں سمجھ سکتے ہیں کہ لوگ دنیا میں اس قدر مشغول کہ آخرت کو بھلا بیٹھے۔ اور یہ ہوس ان کو قبروں تک لے گئی۔ نہ دنیا میں آنے کا مقصد جان سکے اور نہ زندگی دلی اطمینان و سکون سے گزاری اور نہ اللہ کو راضی کیا اور نہ ہی آخرت کی تیاری کر سکے۔ تب دنیا ان کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔

۱۔ ابن القیم الجوزی، اعلام المعوقین عن رب العالمین، دار الاکتب العلمیۃ، بیروت، ۱/۱۱۸

۲۔ شیخ البانی، محمد ناصر الدین، الجامع الصغیر، مکتبہ الاسلامی، دمشق، ۱/۲۰۶

﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ . حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (۱)

تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ ﴿اسی فکر میں﴾ تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔

کثرت کی ہوس نے ہلاک کر دیا اور انسان قبروں تک جا پہنچا،

حکیم ترمذی لکھتے ہیں:

پس امثال حکمت کے نمونے ہیں اور یہ ان چیزوں کے لیے ہیں جو سمع وبصر سے غائب ہو تا کہ ان امثال سے انسان وسمع وبصارت سے او جھل چیزوں کو بالکل واضح دیکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ امثال اس کلام کی بیان کی جاتی ہیں جسے سمجھنا مشکل ہو آسان کلام کی مثال نہیں بیان کی جاتی (۲)

قرآن میں موجود امثال کے الفاظ کی گہرائی پڑھنے والے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ قرآنی مثالیں کسی عجیب وغریب مثال کے ذریعے نہیں بیان کی جاتیں بلکہ موجود محسوسات سے دی جاتی ہیں ان الفاظ کے ذریعے اوصاف اور خصائص بیان کیے جاتے ہیں تاکہ مخاتب پر سب کچھ اچھی طرح واضح ہو جائے، اور ممثل بہ میں کوئی وصف زائد یا کم نہیں بیان کیا جاتا۔ بلکہ مثال سے صحیح اور مطلوبہ تصویر سامنے آجاتی ہے۔

ان مثالوں کو بیان کرنے کی حکمت یہ ہے کہ عقل وسوچ متحرک ہو جاتی ہے۔ ان عوامل کے ذریعے اللہ پر ایمان پختہ ہوتا ہے۔ انبیاء ورسل کی تصدیق اور حقائق انسان کو رہ راست کی طرف لے جاتے ہیں۔ اللہ کی وعبادت اور رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ حقائق ظاہر ہونے کے بعد انسان حق جھٹلائے تو وہ ظالم ہے اور گمراہی میں ہے۔

قرآنی مثالیں انسانی زندگی کے معاملات کے مطابق ہوتی ہیں، انسانی طبعیت کو ملحوظ رکھ کر قرآن میں امثلہ نازل ہوئی ہیں تاکہ انکا اثر زیادہ ہو اور انسان اچھی طرح سمجھ سکے۔ اللہ نے اعلیٰ عقلی مفاہیم کو مثال کے ذریعے بیان کیا تاکہ عام لوگ اس مفہوم کو اپنی اپنی عقل کے تناسب سے سمجھ سکیں۔ مشکل مطالب کو عام فہم بنادیتی ہے۔ عقلی بحثوں میں توضیح وتفسیر کے سلسلے میں مثال کا کردار نا قابلِ انکار ہے۔ حقائق کو واضح اور روشن اور ذہن سے نزدیک کرنے میں ہمیشہ مثال کے ہم محتاج رہے ہیں۔ مثل کے خوبصورت اور عام فہم ہونے کی وجہ سے تمام تہذیبوں نے اس کا استقبال کیا ہے۔ مثالیں ہر قوم، ہر علاقے کے لیے قابل قبول ہوتی ہیں۔

مثال کبھی ایک عمل ہے جسے کردار کی زبان سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور عمل میں اس کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایک لفظ ہے جو زبان سے جاری ہوتی ہے۔ جیسے دین ودنیا کی حقیقت اور فلاح کے معنی سمجھانے کے لیے آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ میں کبھی عملی مثالوں کو دیکھا جاتا ہے کہ فطری طور پر اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے چھوٹے گناہوں کے

۱۔ التکاثر:۱۰۲/۱۔۲

۲۔ الامثال من الکتاب والسنۃ، ص:۱۶

خطرات کی طرف اصحاب کی توجہ دلانے کے لیے آپ ﷺ نے لکڑیاں جمع کرنے والی مثال عملی طور پر اختیار کر کے دکھائی۔ قرآن کریم ایک کتاب ہے۔ اللہ کا کلام تو اس کی مثالیں لفظی ہیں۔ قرآن اپنی اعلیٰ تعلیمات اور حکمتوں کو مثال، تشبیہ اور استعارہ کے ذریعے بیان کرتا ہے۔ جو دعوت دین کے لیے ادبی وفنی اعتبار سے مؤثر ترین وسیلہ شمار ہوتی ہیں۔ قرآن کریم کی ہر مثال مخاطبین کے سامنے بڑی مہارت کے ساتھ حالات کے مطابق نقشہ کھینچ دیتی ہے تاکہ خود انسان اپنی حیات کے خوبصورت اور برے مناظر کو دیکھ کر اس کے بارے میں فیصلہ اور خدا کی مہارت کا تصور کرے۔ تاکہ قرآن کریم کے اعجاز کے بارے میں اسے دلیل قرار دیا جاسکے۔ انسان پر مثالوں کے اثرات اور اس کی حکمتوں کو تین مراحل میں سمجھا جاسکتا ہے۔

پہلا مرحلہ تذکرا اور یاد دہانی کا ہے۔ جس میں پیغام الٰہی کی حقیقت کو دہرانا ہے۔

دوسرا مرحلہ غور وفکر کا ہے کہ انسان مثال اور اس کی حکمت پر غور وفکر کرتا ہے۔

تیسرا مرحلہ ادراک کا ہے۔ جس میں گہری فکر کے ساتھ حقائق کی شناخت اور ادراک ہوتا ہے۔

امام زرکشی لکھتے ہیں:

ضرب الامثال کی حکمت یہ بھی ہے کہ بیان کی تعلیم دی جائے اور یہ بات اسی شریعت (محمد ﷺ) کے خصائص میں سے ہے [1]

امثال القرآن کے فوائد

امثال القرآن اپنی جگہ ایک خاص افادیت کے حامل ہیں ہر مثال میں انسانوں کے لیے عمل کا ذخیرہ چھپا ہوا ہے۔ انسان میں اتنی طاقت اور وسعت کہاں کہ کلام الٰہی میں بیان کردہ امثلہ کے فضائل وفوائد کو پوری طرح بیان کر سکے۔ کیونکہ کلام کی عظمت کلام کرنے والے کی عظمت سے ہوتی ہے۔ ایک بات کسی عام انسان یا فقیر کے منہ سے نکلے تو اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا اور ایک بات کسی بادشاہ یا اعلیٰ عہدے دار کے منہ سے نکلے تو وہ اخبارات اور میگزین کی زینت بن جاتی ہے تو قرآن پاک تو خالق ومالک کا کلام ہے جس میں ساری حکمتیں اور علوم پنہاں ہیں اس کے فوائد و ثمرات کے احاطہ انسانی وسعت میں کہاں ممکن ہے۔ ان حکمتوں کو ہر شخص اپنی لیاقت کے مطابق حاصل کرلیتا ہے۔

قرآن پاک مکمل سرچشمہ ہدایت ہے۔ قرآن وحدیث کی تمثیلات سے اصل غرض ومقصود عبرت حاصل کرنا ہے۔ تاکہ انسان اس میں غور وفکر کرکے دنیا کی حقیقیت، اس کی ناپائیداری اور زوال وفنا کو سمجھتے ہوئے خداوند لاشریک پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانے میں گریز کرے۔ قرآن حکیم کے ضرب الامثال سے وعظ وتذکیر، زجر،

۱۔ امام زرکشی، بدرالدین بن محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰م، ۳/۴۸۷

عبرت، تقریر و تاکید، مراد کو فہم کے قریب کرنے اور مراد کو محسوس صورت میں پیش کرنے میں مدد ملتی ہے۔ کیونکہ امثال معانی کو اشخاص کے لئے نمایاں کرتی ہے اور مطالب کے ذہن میں حواص ظاہری کو واضح کرکے ذہن میں بخوبی نقش ہو جاتی ہے امثال کا طرز اختیار کرنے سے مطلوب معانی مکمل طور پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

سب سے بہترین اور احسن مثالیں بے شک قرآن کریم کی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے اندر بہترین الفاظ اور ان کے معانی اور عمیق دلائل حکمت کے اعتبار سے اور حق کی تشریح کرنے والے و مطالب اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں، امثال بیان کرنے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ جس چیز میں انوکھاپن اور ندرت ہو اس کی حفاظت کی جائے کیونکہ وہ بدلتی نہیں کبھی استعارہ کے طور پر مثل کو حال یا صفت یا قصہ کے معنی استعمال کرتے ہیں جبکہ اس کی حالت میں کوئی انوکھی بات ہو جیسے

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: خداترس انسانوں کے لیے جس جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

یعنی جو عجائب ہم نے بیان کئے ہیں بس ان میں جنت کا عجیب حالت والا واقعہ ہے۔ پھر اس کے عجائبات بیان کیے گئے۔

دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾[2]

رہا اللہ، تو اس کے لیے سب سے برتر صفات ہیں۔

یعنی اللہ کے لیے ایسی صفات ہیں جن کا عظمت و جلال میں بڑا مقام ہے۔

قرآن حکیم اللہ کی جانب سے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے نازل ہونے والا آخری تحفہ اور دنیا کی سب سے بہترین کتاب ہے اس میں نازل کردہ امثلہ کا فائدہ یہ ہے کہ انسانی ذہن بات تک پہنچنے میں دقت محسوس نہ کرے اور حکم الٰہی کو بہتر انداز میں سمجھ سکے کیونکہ جو بات مثالوں سے ذہن نشین ہوتی ہے وہ دلائل سے کم و بیش ہی سمجھ میں آتی ہے۔ قرآن میں جو امثلہ بیان کی گئی ہیں وہ بات کی وضاحت عبرت اور نصیحت اور اجر کے تفاوت کے ساتھ بیان پر مشتمل ہیں۔ ایسی مثالوں سے انسان کا امتحان ہوتا ہے۔ مثال کی صورت میں بیان کی گئی بات دلچسپی کا باعث ہوتی ہے فکر و عبر کی نگاہ رکھنے والوں کے لیے مثالیں ہدایت کا سامان پیدا کرتی ہیں۔ اور بے پرواہی و بے اعتنائی برتنے والوں کے لیے مزید گمراہی کا سبب بنتی ہیں اور ایسی مثالوں سے صرف سرکش اور فاسق لوگ جو اللہ کی اطاعت سے نکلنے والے وہی گمراہ ہوتے ہیں۔ جبکہ جن لوگوں میں ذرا بھی خداخوفی ہو وہ ہدایت حاصل کرلیتے ہیں۔ غرض یہ کہ قرآن مثالوں کے ذریعے ہدایت یافتہ اور گمراہوں میں تمیز ہو جاتی ہے۔

۱۔ الرعد:۱۳/ ۳۵

۲۔ النحل:۱۶/ ۶۰

جیسے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۶ میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾(۱)

ہاں، اللہ اس سے ہر گز نہیں شرماتا کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر تر کسی چیز کی تمثیلیں دے۔ جو لوگ حق بات کو قبول کرنے والے ہیں، وہ انہی تمثیلوں کو دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ حق ہے جو ان کے رب ہی کی طرف سے آیا ہے، اور جو ماننے والے نہیں ہیں، وہ انہیں سن کر کہنے لگتے ہیں کہ ایسی تمثیلوں سے اللہ کو کیا سروکار؟ اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔ اور گمراہی میں وہ انہی کو مبتلا کرتا ہے، جو فاسق ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن انشا پردازی اور علم وہدایت کا ایسا سمندر ہے جس میں جو بھی غوطہ زن ہوتا ہے اس کا دامن مالا مال ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اس کتاب میں رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے ہدایت کی راہ آسان اور دلچسپ پیرائے میں پیش کی ہے۔ قرآنی آیت کا انداز اپنے مخاطبین کے لیے دل موہ لینے اور دل پر اثر کرنے کی مہارت رکھتا ہے۔ بلاشبہ تمثیل ادب کی دلنواز قسم ہے۔ جس سے کوئی بھی مشکل سے مشکل بات آسانی سے عام فہم انداز میں پیش کی جا سکتی ہے۔ قرآن کا ہی سودمند اسلوب دعوت ہے جو ہر خطیب اپنے خطاب میں اور ادیب اپنی تحریر میں اپناتا ہے۔ کیونکہ اس میں جو بات عقل و منطقی استدلال سے بڑی دیر یا مشکل میں سمجھ آتی ہے وہ مثالوں سے جلد اور آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔ اس لیے اللہ نے قرآن میں جابجا تمثیلات پیش کر کے طراط مستقیم کو واضح کر دیا ہے جو کہ قرآنی اعجاز بھی ہے۔

لوگوں کو مثال کو صورت میں بات سمجھانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے مطلب یا معنی حسی اور محسوساتی صورت میں نمایاں ہو جاتا ہے، جو اس کی دلکشی اور خوبصورتی کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح پوشیدہ الفاظ ظاہر ہو جاتے ہیں مثال دوری کو قریب کرتی ہے بلندی اور وضاحت میں معانی کو بڑھا دیتی ہے۔ ان میں حسن اور فضلیت پیدا کرتی ہے۔ مطالب کو عزت و شرافت کا لبادہ پہنا دیتی ہے، کیونکہ غیبی حقائق کی ضرورت ہے کہ وہ ذہن کے قریب ہوں یہ قربت لقریب صرف مثالوں سے ہی حاصل ہوتا ہے، جیسے جنت، جہنم ان میں موجود نعمتیں یا سزائیں صرف اسی صورت سمجھ آسکتی ہیں جب کسی مثال سے اس کو relate کیا ہو، یہ قرآنی مثالیں ذہنی یا عقلی بات کو حسی صورت میں نمایاں کرتی ہیں، تاکہ لوگ ان تک پہنچ جائیں اور ان کو قبول کر لیں کیونکہ عقلی معنیٰ یا ذہنی چیز ذہن میں ٹھہرتی یا رہتی نہیں ہے۔ جب تک وہ ذہن کے قریب

۱۔ البقرۃ:۲/۲۶

ہو کر محسوس کی جانے والی صورت میں نہ ڈھل جائے۔ ان مثالوں کے ذریعے حقائق واضح اور نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح قرآنی مثالیں حقائق کا انکشاف کرتی ہیں اور غائب کو حاضر کے مقام پر پیش کرتی ہیں۔

سورۃ انبیاء میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَي الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُه فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ﴾[1]

مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے اور تمہارے لیے تباہی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بناتے ہو۔

تو گویا کہ حق اپنے خالص معنی میں ہے۔ اور اپنی شان عظیم یا اپنے مقام کی عظمت کی وجہ سے ایک وزنی بھاری گولا ہے جو نرم کمزور باطل پر پھینکا یا مارا جاتا ہے لو وہ اسے ہلاک وتباہ کر دیتا ہے۔ ایک بوسیدہ یا پرانی لاش بنا کر، اس عظیم منظر میں ازلی لڑائی یا کشتی کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ جو حق اور باطل کے درمیان ہے۔

علماء تفسیر کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ قرآنی مثالوں کے اثر کی قوت معاشرے سے وابستہ یا جڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس کا عقائد، اخلاق، سوچ، رویے اور عادات رسم ورواج میں مرتب یا ظاہر ہوتی ہے۔ افراد کی اصلاح کی خاطر، نیکی کے راستے کی طرف رہنمائی کے لیے، پس وہ (قوت) کفر ونافرمانی اور گمراہی کو برا ظاہر کرتی ہے۔ ایمان وتقویٰ کو خوبصورت بناتی ہے، اور استقامت عمل صالح کی طرف دعوت دیتی ہے۔

بہت دفعہ مثالیں نصیحت کو زیادہ بلیغ کرنے اور برا بھلا کہنے یا سرزنش میں زور پیدا کرنے کے لیے، مطمئن کرنے کے لیے، زیادہ سیدھی اور درست بات کرنے کے لیے، دل میں جاگزیں کرنے کے لیے بات کو مؤثر بنانے کے لیے دی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر ہم یہ کہیں کہ "علی بہت بہادر ہے"۔ تو یہ ایک سادہ سی بات ہے۔ اگر ہم یوں کہیں کہ "علی شیر کی مانند ہے"۔ تو یقیناً بات میں زور ہو گا اور علی کی بہادری زیادہ مؤثر طور پر ثابت ہو گی۔

قرآنی علوم واسلوب پر مختلف زاویوں سے غور کیا جاتا رہا ہے۔ علماء ومحققین نے قرآن کی ادبیت، شعریت، قصص کا جائزہ لیا تو بعض نے اعجاز القرآن اور ایجاز یا مختصر ترین جملوں میں وسیع اور گہرے مضامین کے بیان کو سمجھنا چاہا تو اس سلسلے میں قرآنی امثلہ کا مطالعہ کرنا بھی بہت فائدے کا حامل ہوا۔

۱۔ الانبیاء:۲۱/۱۸

علامہ آلوسی امثال بیان کرنے کے فوائد میں لکھتے ہیں[1]

يجعل الغائب كانه شاهد۔

امثال نگاہوں سے پوشیدہ چیزوں کو اس طرح بنادیتی گویا ہم ان کو دیکھ رہے ہیں اس بات کو ہم اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب لوگوں سے کہاں جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ تمہیں اس کا کئی گنا زیادہ اجر ملے گا۔ تو ہو سکتا ہے کہ عام لوگ اس بات کا مفہوم پوری طرح نہ سمجھ سکیں جبکہ یہی بات قرآن کی آیت ۲۶۱ سورۃ بقرہ کے ذریعے سمجھائی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۝ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ ۝ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[2]

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانا بویا جائے اور اس کے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔

تو مسلہ پوری طرح قابل فہم ہو جاتا ہے، اور بات زیادہ مؤثر اور واضح ہو جاتی ہے، عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

امثال القرآن کے اغراض و مقاصد

قرآن کریم کا درس فکر ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اعلیٰ ترین مطالب و مقاصد کے اظہار کے لیے امثلہ و نظائر پیش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ مثالوں پر مشتمل ہے۔ قرآن میں ضرب الامثال بیان کرنے کے خاص اغراض ہیں جن سے انسان فوائد اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔ قرآنی مثالوں کا اصل مقصد بنی نوع انسان کی اصلاح، تہذیب اخلاق، عقائد کی تصحیح، وسعت، بصیرت، تقویم المسالک اور سب سے بڑھ کر ہر اس چیز کی طرف ہدایت دینا ہے، جو فرد کے ساتھ ساتھ جماعت کے لیے بھی سود مند ہو۔ اور باہمی اصلاح اور ہم آہنگی کا ذریعہ ہو۔ قرآنی مثالیں اپنے اندر وسیع موضوعات سموئے ہوئے ہیں۔ یہ مثالیں تزکیہ قلب، دلوں کو گزار اور طبیعت میں حلم اور بہترین رستے کی طرف چناؤ کرنے میں مددگار ہوتی ہیں۔

۱۔ آلوسی، علامہ محمود، روح المعانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱/۱۶۵

۲۔ البقرۃ: ۲/۲۱۶

امام رازی لکھتے ہیں:

الامثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کا اثر دلوں پر ہوتا ہے۔ جس طرح کسی چیز کا وصف بذات خود اثر انداز نہیں ہوتا۔ امثال کی غرض وغایت خفی کو جلی اور غائب کو موجود سے تشبیہ دینا ہے۔ تاکہ اس کی ماہیت کے سمجھانے میں تاکید پیدا ہو جائے۔ اور حس، عقل کے مطابق ہو جائے۔ یہ وضاحت و تشریح کے لیے انتہا ہے[۱]

عمومی طور پر کلام کرنے والا جو فصیح اسلوب کو پیش نظر رکھتا ہو وہ اپنی بات کو بلا واسطہ بھی بیان کرتا ہے اور کبھی ضرب الامثال کی مدد سے بھی۔ تو کبھی وہ امثال اشیاء کی صفت بیان کرنے کے لیے مستعار لی جاتی ہیں اور کبھی ان اشیاء کے معین معنیٰ اور غرض کو بیان کرنے کے لیے بھی لی جاتی ہیں۔ مثال بیان کرنے کی غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ غیر واضح اور غیر محسوس حقیقت کو مخاطب کے فہم سے قرب ترلانے کے لیے کسی ایسی چیز سے تشبیہ دی جائے جو واضح اور محسوس ہو۔ مثال کے ذریعے گویا اس کا مشاہدہ کروایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں یہ طرز بیان بڑی کثرت کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ جن حقائق سے یہ دونوں آگاہ کرنا چاہتے ہیں وہ زیادہ غیر مرئی اور غیر محسوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات نازل فرمائے ہیں ان کی فصاحت وبلاغت کو سمجھنا جو اللہ کو ہم سے مطلوب ہیں دین اسلام کی حقیقی روح کو جاننے کے لیے یہ مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ان پر تدبر کرنا نہایت ضروری ہے، تاکہ ان سے حاصل ہونے والی نصیحتوں عبرتوں سے استفادہ کیا جاسکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾[۲]

یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت پر) غور کریں۔

ان اغراض کو مختصراً اللہ کی بیان کی ہوئی باتیں بے فائدہ اور بے مقصد نہیں ہو سکتی۔ بلاشبہ قرآنی ضرب الامثال ترین اور اعلیٰ ترین مقاصد واغراض کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ بلند اغراض کو مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱) جس چیز کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ یعنی "ممثل لہ" اس کو مخاطب کے ذہن میں واضح کرنے کے لیے مثال دی جارتی ہے۔

۲) افکار میں سے کسی فکر پر قائل کرنا، اور یہ قائل کرنا دلیل قائم کرنا بھی ہو سکتا ہے، یا خطابی حجت قائم کرنا، یا صرف حقیقت کی طرف کسی مشابہہ صورت کے ذریعے توجہ دلانا بھی ہو سکتا ہے۔

۱۔ الرازی، محمد بن عمر، فخر الدین، مفاتیح الغیب، دار الفکر، الطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۰۱ھ، طبع اول، ۱/۱۶۵

۲۔ الحشر: ۲۱/۵۹

۳) کسی چیز کی تزئین و تحسین کے ذریعے سے اس کی ترغیب دلانا۔ یا اس کے قبیح جوانب کو ظاہر کرنا کہ اس سے نفرت پیدا ہو سکے۔ جو لوگوں کو ناپسند ہو۔

۴) انسان کو کسی چیز کی رغبت یا خوف دلانے کے لیے امثال بیان کرنا۔

۵) کسی چیز کی مدح یا مذمت کو ظاہر کرنا یا اس کی تعظیم و تحقیر کرنے کے لیے مثال دینا۔

۶) مخاطب کے ذہن کو غور و فکر اور تدبر پر ابھارنا اور اس کی ذہانت کو جگانا۔ حتیٰ کہ وہ تفکر اور تأمل کرنے کے بعد اصل مقصد کا ادراک کر سکے، ایسی امثلہ اذکیاء، اہل التأمل اور اہل علم کے لیے ہوتی ہیں۔

۷) ایسے افکار جو بہت دقیق ہو، ان کو مثال کے ذریعے واضح کرنا ضروری ہو، جیسے طویل کلام مختصر مثال کے ذریعے بیان کر دیا جائے جس سے عبارت و مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو۔

۸) حیا اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جملے کے مطلوبہ معنیٰ کو مثال سے واضح کرنا[۱]

ان اغراض و مقاصد کو قرآنی امثلہ کے ساتھ وضاحت سے پیش کیا جا رہا ہے۔

۱: ممثل لہ کو مثال کے ذریعے سے مخاطب کے لیے واضح کرنا

ممکن ہے بعض اوقات مخاطب کو ممثل لہ کے بارے میں صحیح علم نہ ہو۔ یا اس کے بارے میں کچھ شبہات ہوں تمثیل کا مقصد ان شبہات و جہالت کو دور کرنے کا وسیلہ بنتی ہے۔ اور ممثل لہ کی صحیح صورت کو واضح کرنے کا احسن ذریعہ ہوتی ہے جس کے شبہات کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ممثل لہ کسی مادی صورت میں موجود نہ ہو بلکہ حسی طور پر اس کا ادراک کیا جائے۔ وہ ایک فکری، ذہنی اور وجدانی امر ہو۔ اور یہ مادی صورت میں بھی ممکن ہے، جس کا ظاہری حس کے ذریعے سے ادراک کیا جا سکے۔ پہلی حالت میں مثل سے مراد ذہنی یا وجدانی صورت کو واضح کرنا ہے اور دوسری حالت میں مادی صورت کو مخاطب کے لیے وضح کرنا ہے۔

۱۔ المیدانی، عبد الرحمٰن حسن، حنبکہ، امثال القرآن وصور من ادبہ الرفیع، دار القلم دمشق، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۲م، ص: ۵۹

جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ ـ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوءِ الْمَكْنُوْنِ﴾ (۱)

اور ان کے لیئے خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ ایسی حسین جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔

اللہ تعالیٰ جنت میں حورالعین کی مثال بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ مادی صورت رکھنے والی ہونگی جن کا ادراک ظاہری حس سے ممکن ہے۔ لیکن وہ اس وقت ہمارے لیے مجہول ہیں، ہمارے حسی ادراک اور تصورات سے بعید ہیں، کیونکہ ہم نے ان کو کبھی ظاہری آنکھ سے دیکھا ہی نہیں، اس لیے ان کی مثال اللہ تعالیٰ اللُّؤْلُوءِ الْمَكْنُوْنِ سے دیتے ہے ہیں۔ جس سے مراد "چھپے ہوئے موتی" ہیں۔ جس کے ذریعے ہم مثال میں ممثل لہ کو سمجھ سکتے ہیں۔

اسی طرح اللہ نے سورۃ الانسان میں آیت ۱۹ میں جنت میں موجود مؤمنین کے خدام کی صفت اس طرح سے بیان کی ہے:

﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا﴾ (۲)

ان کے خدمت کے لیے ایسے لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ موتی ہیں جو بکھیر دیے گئے ہیں۔

مومنوں کے خدمت گزاروں کو بکھرے ہوئے موتی سے تشبیہ دی ہے، جس کے ذریعے سمجھنا آسان ہو گیا۔

اب دوسری بات جو اس آیت سے سمجھتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ. اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ اَوْلِيَاءَ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ. لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ. اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (۳)

۱۔ واقعہ:۵۶/۲۲،۲۳

۲۔ الانسان:۷۶/۱۹

۳۔ ھود:۱۱/۱۹،۲۴

ان ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں. وہ زمین میں اللہ کو بے بس کرنے والے نہ تھے اور نہ اللہ کے مقابلے میں کوئی ان کا حامی تھا۔ انہیں اب دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ وہ نہ کسی کی سن ہی سکتے تھے اور نہ خود ہی انہیں کچھ سوجھتا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خود گھاٹے میں ڈالا اور وہ سب کچھ ان سے کھویا گیا جو انہوں نے گھڑ رکھا تھا۔ ناگزیر ہے کہ وہی آخرت میں سب سے بڑھ کر گھاٹے میں رہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب ہی کے ہو کر رہے، تو یقیناً وہ جنتّی لوگ ہیں اور جنّت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اِن دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی تو ہو اندھا بہرا اور دوسرا ہو دیکھنے اور سننے والا، کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم ﴿اس مثال سے﴾ کوئی سبق نہیں لیتے؟۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں دو فریقوں کی مثال بیان کی ہے۔

فریق اول: جنہوں نے کفر کیا اور اس کے راستے سے روکا۔

فریق دوم: جو ایمان لاکر نیک عمل کرتے رہے، اور اپنے رب کی طرف عاجزی اختیار کی۔ اس تواضع اور خشیت نے ان کے دلوں کو سکون نصیب کیا۔

⇐ فریق اول کی مثال ایسے ہے جو اندھا ہو نہ کچھ دیکھ سکتا ہو۔ بہرا ہو نہ کچھ سن سکتا ہو۔ وہ ادراک حسی سے محروم ہو جس کی وجہ سے وہ معرفت حاصل نہ کر سکے،

⇐ دوسرے فریق کی مثال شدید بصارت رکھنے والے شخص کی سی ہے وہ قوی سماعت رکھتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد اشیاء کا ادراک کر سکتا ہے اور معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے دونوں کی حقیقتں مختلف ہیں، اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت سے منہ موڑنا اور اللہ کی پکار نہ سننا اس کی مثال اندھے اور بہرے سے دی جو نہ سمجھ سکتا کچھ اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ تو ہدایت کیسے پائے گا۔ اور جو ہدایت کو قبول کرلے اللہ کی پکار پر سمعنا واطعنا کرے اس کی مثال بصارت اور سماعت رکھنے والے سے دی جو حق دیکھ کر سمجھ کر ہدایت پالیتا ہے۔

اس مثال میں ممثل لہ فکریات اور وجدانیات میں سے ہے۔ اور ممثل بہ حسیات ظاہرہ میں سے ہے۔ اس مثال کی غرض ممثل لہ کو مخاطب کے لیے ترغیب وتنفیر یا مدح وذم کے ذریعے واضح کرنا ہے۔

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ. وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ . سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴾[۱]

اور اے محمد ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے اسے ان آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے، مگر وہ تو زمین کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا، لہٰذا اس کی حالت کتےّ کی سی ہو گئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ بڑی ہی بری مثال ہے ایسے لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، اور وہ آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے ہیں۔

اس مثال کو حسی طور پر محسوس کروا کر دیناوی حرص میں مبتلا انسان کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ کتے کی طرح ہے، جو دنیا کی محبت وجاہ و مطالب کے لیے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیتا ہے۔ صرف دنیا کی وقتی لذتیں اور اطمینان حاصل کرنے کے لیے، یہ تشبیہ انسان کی نفسانی حرص کی وجہ سے ہے۔ جیسے کتے پر کوئی چیز پھینکی جائے خواہ مارنے کے لیے ہی وہ زبان باہر نکال کر اس شے کی طرف لپکتا ہے، اسی طرح انسانی حرص کو واضح کیا گیا کہ وہ دنیاوی لالچ میں گرفتار ہو کر ہر واقعے ہر چیز سے دنیا کا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، خواہ اس کے لیے حدود اللہ پامال ہو جائیں۔

۲: کسی فکر کے ذریعے قائل کرنا

کسی فکر کے ذریعے قائل کرنا جس میں کوئی دلیل قائم کی جائے یا کبھی خطابی دلیل لائی جاتی ہے، یا بعض اوقات مشابہ صورت کے ذریعے توجہ دلائی جاتی ہے۔

حجت برھانی یقین پر مبنی ہوتی ہے اور حجت خطابی ظن الراجع پر مبنی ہوتی ہے۔ بعض اوراوقات کوئی دلیل نہ بھی قائم کی جائے تو صرف ایک مشابہ مثل بیان کرنا کافی ہوتا ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾[۲]

۱۔ الاعراف:۷/۱۷۵، ۱۷۷

۲۔ الروم:۳۰/۲۸

وہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے۔ کیا تمہارے ان غلاموں میں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو ہمارے دیے ہوئے مال و دولت میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟۔۔۔ اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ نے ان کو قدرت عطا کی ہے، وہ تصرفات پر قادر ہیں۔ اور کچھ امور ان کے ذمے کر دیئے ہیں جو یہ انجام دیتے ہیں۔

ان مشرکین کو عقیدہ توحید پر قائل کرنے کے لیے یہ مثال قرآن میں آئی ہے کہ اللہ نے اپنے ساتھ کوئی شریک نہیں بنایا، سوالیہ انداز میں مخاطب کر کے ان کو جھنجوڑا جارہا ہے کہ تمہارے مال میں تمہارے غلام حصہ دار بن جائیں ان کو تمہارے مال میں تصرفات کا حق حاصل ہو جائے کیا تم اس بات پر قائل ہو کہ وہ تمہارے برابر ہو جائیں، یقیناً تم اس بات کو پسند نہیں کرتے، تو جب تم اپنے لیے یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارا غلام تمہارے برابر ہو جائے تو تم اللہ کے لیے کس طرح شریک ٹھہرا سکتے ہو۔ اللہ کی ذات ان سب باتوں سے پاک ہے۔ کہ کوئی اس کے اختیارات میں تصرفات کر سکے یا مساوی ہو سکے وہ وحدہ لاشریک ہے۔

اس طرح ایک اور مثال سورۃ النحل آیت ۷۵ میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[1]

اللہ ایک مثال دیتا ہے۔ ایک تو ہے غلام، جو دوسرے کا مملوک ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ دوسرا شخص ایسا ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا کیا ہے اور وہ اس میں سے کھلے اور چھپے خوب خرچ کرتا ہے۔ بتاؤ، کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ الحمد للہ، مگر اکثر لوگ ﴿اس سیدھی بات کو﴾ نہیں جانتے۔

اس آیت میں بیان کیا گیا کہ مشرکین نے اپنے لیے متعدد الٰہ بنا رکھے ہیں جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں، جو عقل کے خلاف ہے، عقل تو عقیدہ توحید کی طرف ہی مائل ہوتی ہے اور اس بات کو قبول کرتی ہے کہ ایک الٰہ کی عبادت کی جائے۔

۱۔ النحل: ۱۶/۷۵

مشرکین نے متعدد الہٰ بنا لیے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، متعدد الہ بنا کر زیادہ شرف اور عزت والے راستے کو چھوڑ دیا جو کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے۔

مشرکین کی مثال ایک ایسے غلام کی سی ہے۔ جس کے بہت سے آقا ہوں۔ اور اس پر ان سب کا اختیار ہو۔ سب اس اختیار کی وجہ سے آپس میں لڑتے ہوں۔ ہر ایک اسے اپنا کام لینا چاہتا ہو، وہ غلام اس بات کو ترجیح دے گا کہ اس کا ایک آقا ہو اور وہ اس ذلت سے بچ جائے۔

اس میں یہ حجت بیان کی گئی ایک سے زیادہ مالک جن کی عبادت کی جائے اس سے زیادہ شرف کی بات یہ ہے کہ ایک الہ ہو۔ توحید انسان کے لیے زیادہ شرف اور اکرام کی بات ہے۔

ان مثالوں کے ذریعے عقیدہ توحید کی فکر پر قائل کرنا مقصود ہے۔

۳: کسی چیز کے تحسین یا تقبیح کے پہلو بیان کر کے رغبت دلانا یا نفرت دلانا

قرآن میں اس غرض کے لیے بے شمار مثالیں بیان کی گئی ہیں جو بعض امور کی ترغیب دلاتی ہیں اور بعض امور سے نفرت پیدا کرتی ہیں۔

ترغیب ممثل لہ کے وہ جوانب بیان کر کے دلائی جاتی ہے جو لوگوں کو محبوب ہوں اور تنفیر ممثل لہ کے قبیح جوانب بیان کر کے دلائی جاتی ہے۔ جس سے لوگوں کو نفرت ہو۔

اللہ نے ان لوگوں کی مثال بیان کی جو اللہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ولی بناتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں۔ ان پر اعتماد کرتے ہیں اور نفع کی امید رکھتے ہیں۔ اور نقصان سے بچانے کا سبب سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اللہ نے قرآن میں مکڑی سے دی ہے۔ جس نے اپنے لیے گھر بنایا کہ وہ مشکل حالات سے بچ سکے لیکن اس کا گھر حیوانات میں سے سب سے زیادہ کمزور گھر ہے۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ - اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ - وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾(۱)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو بھی پکارتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے اور وہی زبردست اور حکیم

۱۔ العنکبوت:۲۹/۴۱،۴۳

ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں، مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

تدبر کرنے والا اس مثال سے سمجھ سکتا ہے کہ اہل بصیرت اللہ کے سوا کسی کو مدد گار سمجھنے میں کیوں نفرت محسوس کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مدد گار ماننا اور اس پر اعتماد کرنا ایسا ہی ہے جیسے مکڑی اپنے بنائے ہوئے گھر پر اعتماد کرتی ہے۔

اگر ہم کسی کو یہ کہیں کہ اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو یہ صرف ایک ذہنی فکر ہے، لیکن اگر اسی عقیدہ کو مادی طور پر موجود ایک شے کے ساتھ مثال کے ذریعے بیان کیا جائے تو وہ اس بات کو بہتر طریقے سے مخاطب کو واضح کر سکتا ہے۔ مکڑی کی مثال بیان کرنے کا مقصد غیر اللہ سے مدد طلب کرنے اور ان پر اعتماد کرنے پر تنفیر اور نفرت دلانا ہے۔ کیونکہ مکڑی کی طرح ایسے مدد گاروں اور جھوٹے خداؤں پر اعتماد کرنا ایک دھوکہ ہے جو انسان اپنے ساتھ کر رہا ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِه مِنْ شَيْءٍ ﴾

یعنی کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو اللہ کا شریک بنا کر پکارتے ہیں۔ یہ صرف ان کا وہم ہے، اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ کسی نفع و نقصان کے مالک ہو سکتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾

یہ مثالیں جو بیان کی جاتی ہیں صرف علم رکھنے والے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

یہ اللہ کے سوا کسی کو پکارنا مدد کے لیے مدد گار سمجھنا، اعتماد کرنا ایسے ہے جیسے مکڑی کا اپنے نازک اور کمزور گھر پر بھروسہ کرنا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عہد توڑنے کی قباحت کو سمجھانے کی غرض سے سورۃ النحل میں عہد شکنی کی مثال اس عورت سے دی جس نے محنت کے ساتھ سوت کات کات کر اسے تار تار کر دیا۔

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ . وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِه وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾[۱]

۱۔ النحل:۱۶/۹۱،۹۲

اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جب کہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔ تمہاری حالت اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سوت کاتا اور پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو آپس کے معاملات میں مکر و فریب کا ہتھیار بناتے ہو تا کہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدے حاصل کرے حالانکہ اللہ اس عہد و پیمان کے ذریعے سے تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے، اور ضرور وہ قیامت کے روز تمہارے تمام اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا۔

اس آیت میں اس احمق عورت کی مثال بیان کی جارہی ہے۔ جس نے بہت محنت سے سوت کاتا اور پھر اسی محنت کے ساتھ اسے تار تار کر دیا، اس دہری محنت کا اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا بلکہ وقت کا ضیاع الگ ہوا یہی مثال ان لوگوں کی ہے جو عہد جوڑنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں، وہ بھی اس حماقت کے مرتکب ہوتے ہیں جو اس عورت نے سوٹ کاٹنے کے بعد اس کو تار تار کرنے میں کی۔

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ﴾

مفسرین کے نزدیک عہد سے مراد وہ عہد ہے جس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو، ان میں ایمان، بیعت کا عہد بھی شامل ہے جو امیر المؤمنین کی اطاعت کے لیے کیا جاتا ہے، راہ خدا میں جہاد کا عہد، امت کا امت کے ساتھ عہد اور سیاسی و عسکری عہود سب شامل ہیں۔

عہود توڑنے کی سزا دنیا بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی، عہد توڑنا اسلام میں خطرناک اور بڑا جرم ہے، اس لیے اس حماقت کو سوت کاٹ کر تار تار کرنے والی حماقت سے تمثیل دی گئی۔ اس سے عقلاء نفرت کرتے ہیں۔

۴: انسان کی کسی چیز کی رغبت یا خوف دلانے کے لیے مثال بیان کرنا

مخاطب کو کسی چیز کی رغبت یا طمع دلائی جائے تو انسان اس امر کی طرف جلدی متوجہ ہو جاتا ہے، جس کی طرف توجہ دلانی مقصود ہوتی ہے۔ جس چیز سے خوف دلایا جائے انسان اس سے دور ہو جاتا ہے خوف دلانے کا مقصد دور کرنا ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾[1]

۱۔ البقرۃ:۲/۲۶۱

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانا بویا جائے اور اس کے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔

اس آیت میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی طرف رغبت دلانے کے لیے اس میں مال خرچ کرنے کو زراعت میں ملنے والے نفع سے مثال دی گئی ہے، کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ جب زراعت سے عمدہ نتیجہ نکلتا ہے تو وہ کتنا خوش کن ہوتا ہے۔ اگر اس کا حساب اس طرح کیا جائے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا بدلہ سات سو گنا تک ملے، کیونکہ ایک دانے سے سات بالیا اگتیں ہے۔ ایک بالی میں سو دانے ہوتے ہیں، یہ ایک مزارع اور تاجر کے لیے اور جو زراعت کو سمجھتے ہیں بہت ہی اچھی مثال ہے، اور کون وہ انسان ہے جس کو زیادہ نفع حاصل کرنا پسند نہ ہو۔

اس مثال کو بیان کرنے کا مقصد اس حقیقت کو سمجھانا ہے، کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر کئی گنا بڑھا کر ملتا ہے۔ تاکہ لوگوں کی رغبت ہو اور وہ دل کی خوشی اور اطمینان کے ساتھ خرچ کریں۔

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ . يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَه رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُه كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَه وَابِلٌ فَتَرَكَه صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾[1]

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دکھ دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے، جس کے پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔ اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔

ان آیات میں دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ البقرۃ:۲/ ۲۶۲، ۲۶۴

پہلی مثال نیت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔

دوسری مثال میں احسان جتلانے اور تکلیف دلانے کی وجہ سے صدقات کے ضائع ہو جانے سے ڈرایا گیا ہے۔ تاکہ ان چیزوں اور اعمال سے دور رہے جن کی وجہ سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں۔

پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کی مثال اس طرح بیان کی ہے کہ ایک شخص کا باغ زمین کی بلند چوٹی پر ہے، اس پر زور کی بارش برسے تو وہ دگنا پھل لے کر آئے۔ اور اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی ہو ہلکی پھوار بھی اس کے لیے کافی ہے، اللہ نے اس آیت کا اختتام ان الفاظ پر کیا۔ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اللہ نے خرچ کرنے والوں کے حال کے بارے میں بتایا۔ ان کے اخلاص اور دل کی کیفیت کی وجہ سے ثواب کی درجہ بندی کی گئی۔ جس قدر اخلاص زیادہ ہو گا اللہ کی رحمت میں سے فیض اور اجر کے مستحق بھی اتنے حساب سے ہونگے۔

دوسری مثال ان لوگوں کی بیان کی جارہی ہے، جو اپنے صدقات احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر ضائع کر دیتے ہیں۔ اس میں احسان جتلانے اور تکلیف دینے کو مثال کے ذریعے اس طرح بیان کیا گیا ہے جیسے ایک باغ میں بہت سے درخت ہوں ان پر کثرت سے پھل لگے ہوں اور اس باغ کو آگ لگ جائے۔ اس طرح احسان جتلانے اور اذیت دینا صدقات کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے، باغ عمدہ، مالک بڑھاپے کو پہنچ گیا، اولاد کمزور سب اس باغ پر انحصار کرتے ہوں لیکن آگ اسے جلا کر راکھ کر دے۔

اسی طرح مومن قیامت کے دن اپنے ایک ایک عمل کی نیکی کا محتاج ہو گا، جو اس نے دنیا میں کیے، لیکن اجر صرف تب ملے گا۔ جو اخلاص نیت پر مشتمل اعمال ہونگے۔ ورنہ سب ضائع۔

۵: کسی چیز کی تعریف یا مذموم قرار دینا یا تعظیم و تحقیر بیان کرنا

اس غرض کے لیے قرآن میں کئی امثلہ بیان کی گئی ہیں۔ حق اور حوصلہ افزائی کی خوبیوں کا تذکرہ کرکے اور باطل کی بدصورتی بیان کرکے بظاہر حسین مطاہر کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، تاکہ انسان باطل کی ظاہری حسن سے دھوکہ نہ کھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے اصحاب کی مثال جو کہ حق پر قائم تھے ان کی مثال تورات اور انجیل میں بیان کی ہے، قرآن میں بھی ان کی تعریف اس انداز میں کی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ

فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾[1]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں ۵۴۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تا کہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

تورات اور انجیل میں اللہ نے نبی اکرم ﷺ اور ان کے اصحابؓ کی بشارت دی اور ان کے اوصاف بیان کیے۔

تورات میں ان کی مثال میں صفات بغیر تشبیہ کے ذکر کی گئیں اور انجیل میں ان کی مثال کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے جو بہت تیزی سے پھلتی پھولتی ہے، اصحاب رسول ﷺ کے اوصاف اس طرح بیان کیے گئے ہیں۔

﴿ شِدَّاءُ عَلَي الْكُفَّارِ ﴾ وہ بہت بہادر ہونگے۔ جہاد کرنے والے اور قربانی دینے والے، اللہ کے دشمنوں کے ساتھ شدت سے لڑنے والے ہونگے، ﴿ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ﴾ آپس میں محبت و تعاون اور تراحم کے ساتھ رہیں گے۔ ایک جسم کی مانند ہونگے۔ جیسے کہ جسم کے ایک حصے میں دور ہوتا ہے تو دوسرا حصہ بھی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے بھائیوں کا دور محسوس کر دیں گے۔

﴿ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ﴾ وہ مخلص ہو کر اللہ کی عبادت کر دیں گے اور جب وہ کثرت سجود کریں گے تو یہ علامت ان کے چہروں پر ظاہر ہو گی۔ یہ صفات تورات میں دی گئی ہیں۔

جبکہ انجیل میں اصحاب النبی ﷺ کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ تشبیہ اور تمثیل کے ذریعے بیان کیے گئے ہیں۔

انکی مثال کھیتی کی سے ہے۔ جس نے اپنی کونیل نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھے کھڑی ہوئی کہ کاشتکار خوش ہو گئے۔ اس طرح اس مثال کے ذریعے ممثل لہ کو ذہن میں واضح کر دیا گیا کہ پہلے وہ ضعیف اور کمزور ہونگے پھر وہ قوت میں بڑھ جائیں گے۔ اور زمین میں پھیل جائیں گے۔ اللہ ان کو دشمنوں پر فتح نصیب کریں گے۔

۱۔ فتح:۴۸/۲۹

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: جن لوگوں کو توراۃ کا حامل بنایا گیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ اس سے بھی زیادہ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا ہے۔ ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی مثال ایک گدھے سے بیان کی ہے۔ کہ انہوں نے تورات کو ایسے لیا جیسے گدھے پر بہت سی کتابیں لاد دی جائیں۔ لیکن اس کو علم نہ ہو کہ اس پر کیا لادا گیا ہے، اس طرح بنی اسرائیل نے تورات کے الفاظ سیکھ لیے اور یاد کر لیے لیکن ان کی دلالات کو نہیں سمجھا۔ اگر سمجھ لیا احکامات کو تو عمل نہیں کیا، یہ مثال بیان کرنے کا مقصد بنی اسرائیل کی جہالت کو جانوروں کی جہالت کے ذریعے بیان کر کے ان کو مذموم قرار دینا ہے۔

اس مثال میں گدھے کی بجائے گھوڑے کی مثال بھی لی جاسکتی تھی۔ کیونکہ گھوڑا بھی کچھ نہیں سمجھتا، لیکن گدھے کی مثال زیادہ مذموم سمجھی جاتی ہے۔

اور بعض ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں ضرب المثل کے ذریعے تحقیر بیان کی گئی ہے، جیسا قرآن میں بارہا دنیا کی تحقیر کی مثال آتی ہے اور دنیاوی لذات ومتاع کی تحقیر اس کے زوال وفناء ہونے کی مثال کہ بظاہر دیکھنے میں دنیا اور اس میں موجود چیزیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ عارضی ہیں اور جلد ختم ہو جانے والی ہیں۔

مثال کے طور سورۃ الکھف آیت نمبر ۴۵ اور ۴۶ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا . اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾[2]

اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، انہیں حیات دنیا کی حقیقت اس مثال سے سمجھاؤ کہ آج ہم نے آسمان سے پانی برسا دیا تو زمین کی پود خوب گھنی ہو گئی، اور کل وہی نباتات بھس بن کر رہ گئی جسے ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے۔ اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ جمعہ: ۵/۶۲

۲۔ الکھف: ۴۶،۴۵/۱۸

قرآن میں بہت جگہ ضرب المثل تعظیم کے لیے آئی ہیں جیسے کہ کَلِمَةً طَیِّبَةً کے لیے کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ کی مثال دے کر بات سمجھائی گئی اور عزت وتوقیر دی گئی جس کی اصل ثابت ہے اور فروغ آسمان میں ہیں۔

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾(۱)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیّبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔

۶: مخاطب کے ذہن کو تأمل اور تفکر کی رغبت دلانا تاکہ وہ غور و فکر سے اصل مراد تک پہنچے

اس قسم کی مثالیں اَذکیاء اور تأمل و تفکر کرنے والے لوگوں کے لیے بیان کی جاتی ہیں جس سے ان کی فکری طاقت متحرک ہو جاتی ہے۔

قرآن میں اس طرح کی ایک مثال سورۃ حشر میں ملتی ہے۔

ارشاد بارہ تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَه خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾(۲)

اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جارہا ہے اور پھٹ پڑتا ہے ا۳۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت پر) غور کریں

۔

پہاڑ پر قرآن کا نازل ہونا کسی انسانی تجربے کی بات نہیں ہے۔ کہ اس نے کبھی ایسا دیکھا ہو۔ اور وہ اس مثال سے سمجھ جائے۔ لیکن اس سے مخاطب کی ذہانت اور فکر کو متحرک کیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس پر غور فکر کرے اور اس مثال کے بیان کرنے کے مقصد تک پہنچ جائے۔

اس کا اشارہ اللہ رب العزت کا یہ قول ہے:

﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

۱۔ ابراہیم: ۱۴/ ۲۴

۲۔ الحشر: ۵۹/ ۲۱

کہ مثالیں تفکر کی محتاج ہوتی ہیں۔ اس میں دور کی طرف اشارہ ہے۔ اشارہ بعید اس چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس حسی یا معنوی طور پر دور ہو یا اس اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہو۔

اس مثال میں تفکر ہمارے افہام کے مطابق ہے، اس سے یہ نقاط ظاہر ہوتے ہیں۔

ا: اس آیت میں معنی قریب پایا جاتا ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مومنین کو رغبت دلائی گئی ہے کہ وہ قرآن کو اور اس آیت کو خشوع اور تدبر کے ساتھ پڑھیں اور سنیں، تاکہ دل اللہ کی خشیت کو محسوس کر سکیں۔

۲: اپنی استطاعت کے مطابق قرآن میں غور و فکر کریں اور اس کے انوار حاصل کریں۔

اس کی ایک مثال سورۃ الرعد میں بھی ملتی ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ﴾[1]

اور کیا ہو جاتا اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہو جاتی، یا مردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟۔

قرآن کریم کے بہت سے عجائب ہیں، اس کے نور سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں، اور زمین پھٹ سکتی ہے۔

لیکن قرآن کے نور ہر تلاوت کرنے والے کو حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ سب کے ایمان کے مطابق نور میسر ہوتا ہے، نبی ﷺ جب قرآن کی تلاوت کرتے تھے تو ان کو قرآن سے نور عظیم حاصل ہوتا تھا۔ لیکن ضعیف الایمان مؤمن کو صرف نور کا کچھ حصہ ملتا ہے۔ اگر کوئی کافر قرآن پڑھے تو اس کو کوئی نور نصیب نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس کا ایمان باللہ کے ساتھ کوئی روحانی تعلق نہیں ہوتا۔

۷: دقیق افکار کو مختصر کلام کے ذریعے واضح کرنا

بعض ایسے افکار جو بہت دقیق ہوں ان کو مثال کے ذریعے واضح کرنا ضروری ہوتا ہے، یا پھر بہت مفصل کلام جو طویل ہو کئی صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کو مختصر مثال کے لیے مخاطب کو سمجھانے کے لیے اس کی حواس ظاہرہ کی مدد سے بیان کیا جاتا ہے۔ جو آسانی سے سمجھ آ جائے۔

جیسے کافر کی مثال اس دنیا میں ایک اندھے کی سی ہے، اس کو سوچ سمجھ دی گئی اس کے باوجود ایمان کی دولت سے محروم رہا۔ اس کی مثال پیچھے تفصیلاً گزر چکی ہے۔ کافر جو اپنے اعمال پر فخر کرتا ہے کہ اسے اچھا بدلہ ہی ملے گا۔ ان کی مثال ایک سراب کی سی ہے، جب ایک پیاسا دور سے صحرا میں پانی سمجھ کر وہاں پہنچتا ہے، تو وہاں پانی نہیں پاتا اس طرح وہ اپنے اعمال کے بارے میں دھوکہ میں ہے کہ وہ اس کو آخرت میں کوئی فائدہ دے سکیں گے۔

ا۔ الرعد:۱۳/۳۱

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾[1]

﴿اس کے برعکس﴾ جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا، مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا، بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا، جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا، اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔

۸: ادب اور حیاء کے پہلو کو ملحوظ رکھنے کے لیے مثال بیان کرنا

بعض اوقات مثالوں کو اس مقصد کے لیے بیان کیا جاتا ہے کہ مخاطب کو زیادہ وضاحت کیے بغیر حیاء کا پہلو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ بات سمجھا دی جائے جو مراد مقصود ہوتی ہے۔

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَاۗىِٕكُمْ ۭ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾[۲]

تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔

اس آیت میں زوجین کے باہمی تعلق کو مہذب اور باحیاء انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اور رمضان میں حدود بھی بتا دی گئی کہ رمضان کی راتوں میں وہ حلال ہیں لباس کہہ کہ بات بھی سمجھا دی اور مراد بھی پوری ہو گئی۔

اس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ. اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ. تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾[۳]

عاد نے جھٹلایا تو دیکھ لو کہ کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم نے ایک پیہم نحوست کے دن سخت طوفانی ہوا ان پر بھیج دی۔ جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر اس طرح پھینک رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اکھیڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔

اللہ نے قوم عاد جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی ان پر ہوا کا عذاب نازل کیا۔ اللہ نے انسانی جسم کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی مثال کھجور کے درخت سے دی جو زمین سے اکھیڑ دیا گیا ہو۔ اس درخت کی شاخیں قبیح منظر پیش کر رہی تھیں۔ یہ مثال

۱۔ النور:۳۹/۲۴

۲۔ البقرۃ:۱۸۷/۲

۳۔ القمر:۱۸/۵۴،۲۰

مہذب اسلوب کے ساتھ بیان کی گئی لوگوں کے حالات تو اس طرح پیش نہیں کیا کہ ٹانگیں کس طرح سے تھیں بازو کیسے ٹوٹے بلکہ کھجور کے درخت سے تشبیہ دے کر ان کے حالات واضح کر دیے۔ جس کو انسان خود سمجھ کر برے اعمال کے انجام سے نفرت محسوس کر سکتا ہے۔

فصل سوم: امثال القرآن: اقسام اور دائرہ کار

''مثل''، یعنی مثال کسی شے کی دوسری شے کے ساتھ تمثیل یعنی مماثلت کسی عنصر کے وجود یا ایک سے زیادہ تشابہ عنصر پر قائم ہوتی ہے۔

امثال القرآن کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔(۱)

۱) التمثیل البسیط ۲) تمثیل مرکب

۱: تمثیل البسیط

تمثیل بسیط سے مراد ایسی تمثیل جو مفرد ہو۔ اس لیے کہ ممثل لہ، ممثل بہ کے کئی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے، یا کئی جہات سے کسی ایک جہت سے متشابہ ہوتا ہے۔ تمثیل بسیط جزوی ہوتی ہے۔

جیسے جاہل کی مثال اندھے سے دینا، عالم کی مثال دیکھنے والے کے ساتھ دینا، جہالت کی اندھیروں سے اور علم کو نور کے ساتھ۔

۲: تمثیل المرکب

ایسی چیز جو کسی ایک شکل پر مقدم آتی ہے اور مفرد سے تصور کی جاتی ہے، اس میں وجہ شبہ بعینہ مفرد سے ماخوذ بنتیں ہوتی بلکہ یہ اس سے اور اس کے علاوہ سے بھی ماخوذ ہوتی ہے۔ یا کسی عام صورت سے ماخوذ ہوتی ہے۔ تمثیل مرکب کلی ہوتی ہے۔

تمیشل مرکب کو مزید دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے

ا۔ یا تو یہ ہم آہنگ عناصر کی شکل میں ہوتی ہے جو اس کی امثال میں ممثل لہ کا تقابل کرتی ہیں۔
جیسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی مثال اخلاص سے دی جاتی ہے۔ اور بیج بونے کی مثال اس کے ساتھ دی جاتی ہے۔ جو کسی پاک زمین تو بویا جاتا ہے، جب وہ دانا اگتا ہے۔ تو اس کی مثال اس طرح جس سے سات بالیاں اگئیں پھر ہر

ا۔ امثال القرآن وصور من ادبہ الرفیع، ص: ۴۵

بالی میں سو دانے ہوں، یعنی ایک عمل سے اجر بڑھتا بڑھتا سات سوت گنا تک ہو جاتا ہے یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بیج کے بونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اجر اخلاص کی بناء پر بڑھتے ہوئے ایک دانے سے ساتھ سو دانوں تک پہنچ گیا۔

ب۔ یا ایک مرکب متداخل شکل پر اس کی مثال ہو، جو اس جملہ کو ممثل بہ اور ممثل لہ کے درمیان بغیر انفرادی تقابل کے وجہ الشبہ عطا کرے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی قرآن میں منافقین کے گروہ کی مثال بیان کرتے ہیں:

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَا حَوْلَه ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَ هُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ. صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾[1]

ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اب نہ پلٹیں گے۔

دوسری تقسیم

ممثل بہ اور ممثل لہ کی جہت سے جس کا ادراک ظاہری حس سے ہو یا ظاہری حس سے نہ ہو۔

جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ کسی چیز کو پانچ ظاہری حص سے پہچانا ممکن ہوتا ہے، سننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا یا چھونا، یا اس طرح ہو کہ اس کے معانی میں سے ایک معنی ہو یا کوئی سمجھ بوجھ جس سے اس کی کیفیت کو محسوس کیا جائے۔ جیسے کہ افکار، احساسات اور جذبات وغیرہ۔ یہ تمام اقسام اندرونی نفسیاتی احساسات سے ہیں۔

تھوڑا غور و فکر کرنے کے بعد ہم یہ جان سکتے ہیں کہ کہ ہم وضاحت کریں کہ بے شک کسی ایک چیز کی تمثیل کسی دوسری چیز کے ساتھ دینا بسا اوقات ظاہری حس کے ادراک درمیان ہوتی ہے۔ آنکھ کے ساتھ، اور کبھی باطنی حس کے ادراک کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسا کہ فکری اور وجدانی ادراکات کا ہونا۔ کبھی ممثل بہ ظاہری حس کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اور ممثل لہ کا اس کے ساتھ ادراک نہیں ہو سکتا، اور کبھی اس کا الٹ ہوتا ہے۔ اور کبھی تمثیل صورت ان دو اقسام سے مخلوط ہو کر آتی ہے۔

تقسیم عقلی ہمارے لیے پانچ اقسام پیش کرتی ہے

ا۔ وہ امثلہ جو ظاہری حس سے فکری یا وجدانی ادارک کی نمائندگی کرتی ہیں جیسے ایسی تمثیل جو موت کے بعد حیات کی طرف لوٹے، ان نباتات کے ساتھ جو موت کے بعد زندگی کی طرف لوٹتے ہیں۔ جو مردہ بیج سے ایک ہرا ابھرا

ا۔ البقرۃ:۲/۱۷، ۱۸

درخت زندگی کی طرح اُگتا ہے، ان کو جب کاٹا جاتا ہے تو وہ زندگی سے موت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ ان کی حیات ہریالی ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان دو ہی صورتیں ہیں اور وہ دونوں ایسی ہیں جن کا ادراک ظاہری حس کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے اصحاب کی مثال اور ان کی کثرت اور طاقت کی مثال کھیتی سے دی گئی کہ ایک کونپل کیسے مضبوط ہو کر جڑ پر کھڑی ہو گی۔

حضرت عیسیٰؑ کی مشابہت حضرت آدمؑ سے دی گئی حضرت عیسیٰؑ بنا باپ کے پیدا ہو سکتے ہیں جیسے حضرت آدمؑ بنا ماں باپ کے پیدا ہوئے۔

ان مثالوں کے ذریعے ظاہری حس سے فکری رہنمائی کی جا سکتی ہے۔

۲۔ وہ امثلہ جو فکری یا وجدانی طریق سے نمائندگی رہنمائی کرتی ہیں۔ اللہ سے ڈرنے کی تمثیل لوگوں کے ڈرنے کے جیسے دینا۔

﴿اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ﴾[1]

تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا! یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟۔

اس مثال کو مشابہت دی جا سکتی ہے، نفاق اور حیرت میں، یا نفاق اور بے چین قلق نفسی میں۔ جبکہ دوسری طرف ایمان اور دل کے اطمینان میں مشابہت ہے، یا ایمان اور سعادت کے درمیان۔ نفاق دل میں بے چینی اور قلق پیدا کرتا ہے اور ایمان معرفت کی لذت اور اطمینان میں مشابہیہ ہوتا ہے۔

۳۔ وہ تمثیل مدرک فکری یا وجدانی جو ظاہری حس سے ادراک کرتی ہیں۔ معقول چیز کو محسوس کے ذریعے سے سمجھانا۔ یعنی فکر۔ اور وجدان کے ذریعے حاصل ہونے والی چیز کو ظاہری حس کے ساتھ حاصل ہونے والی چیز کے مشابہہ کرنا۔ اس کی کئی مثالیں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ جیسے علم کو نور کہا، ایمان کو ہونا بصیرت کا ہونا ہے جو سیدھے رہنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جہالت اندھا پن ہے۔ کفر کی مثال اندھیروں میں چلنے سے ہے، یا جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو مددگار بناتا ہے۔ اس کی مثال مکڑی کے کمزور گھر سے دی گئی ہے، یعنی جو معقولات ہیں ان کو سمجھانے کے لیے محسوس

۱۔ النساء:۴/۷۷

چیزوں کو بروکار لانا۔ نہ جہالت دیکھی جانے والی چیز اور نہ گمراہی لیکن اندھیرے کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ روشنی کا ادراک سب کرتے ہیں۔

۴۔ وہ تمثیل جو حس ظاہر کے ساتھ فکری یا وجدانی ادراک کرتی ہیں جیسے ماں کو محبت کے ساتھ تشبیہ دینا اور دشمنوں کو ناپسندیدگی اور سمجھنے کے ساتھ۔ اور آگ کی چنگاڑیوں اور ابلتے ہوئے لاوے کو غصہ کھانے والوں کے ساتھ سخت غصے سے تشبیہ دینا، جیسے جہنم کے وصف کو اللہ نے اس طرح بیان کیا:

﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾(۱)

قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے۔

کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ غصے سے ایسے جوش مار رہی ہو گی کہ وہ پھٹ جائے۔

۵۔ مخلوط تمثیلی صورت جس کا تعلق ظاہری حس سے بھی ہو اور فکری وجدانی ادراک سے بھی۔

اس قسم کو قرآن کی اس آیت سے سمجھا جاسکتا ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُه ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾(۲)

خوب جان لو کہ یہ دینا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہو گئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے۔ پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی۔ پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے بر عکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کی زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔

قرآن نے دنیاوی زندگی کو لھو ولعب، وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ پر منحصر اً قرار دیا ہے۔ اور نہ اسمانی بارش جو کفار کو نباتات کے اعتبار سے اچھی لگی ہے۔ پھر وہ کھیتی زرد ہو کر بھوسہ بن جائے اور ختم ہو گئی۔ اس دنیا میں کچھ چیزیں ایسی ہیں، جو ظاہری حس سے جانی جاسکتی ہیں۔ اور کچھ کا تعلق فکری اور وجدانی امور سے ہے۔ اب ایسی تصویر کشی کی گئی اس آیت میں جس کے ذریعے ظاہری اور باطنی امور سے دنیا کی زندگی کی حقیقیت سمجھادی گئی ہے۔

۱۔ الملک:۶۷/۸

۲۔ الحدید:۵۷/۲۰

اخلاقیات، نفرت، محبت یہ سب باطنی قاقتیں ہیں جو یا تو انسان کو مثبت انداز دیتی ہیں یا زندگی گزارنے کا منفی طریقہ۔

تصویر کشی کو واقع یا خیال کے ذریعے واضح کرنا

مثل میں وارد ہونے والی صورت یا تو کسی واقع سے چھینی گئی ہو گی کہ پڑھتے ہی فی الواقع آیت کا مطلب واضح ہو جائے۔ یا خیال سے چھینی گئی صورت ہو گی۔

اس مثال سے مطلوبہ مقصد کو خیال واقف کار سے imagine کر سکیں۔

ا۔ اس میں قرآنی آیت کو بطور شاہد پیش کرتا مثال سے ایسے عمدہ معنی ظاہر کیے جائیں کہ حققیت واضح ہو جاتی ہے اس کا تعلق ہماری بصری حس سے ہوتا ہے۔

واقع سے چھینی گئی تمثیلی صورتوں میں ایک تمثیل اس شخص کی ہے، جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے، اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ ایسے بیج طونے والی کی مانند ہے جو نرم و گراز زمین جو چٹان پر ہوتی ہے، میں بیج ہوتا ہے، جب اس پر آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے، تو زمین اور بیجوں کو گیلا کر کے بیج کو بہالے جاتی ہے، پس اس کھیتی کو ایک چٹیل صاف میدان چھوڑ جاتی ہے جس پر کوئی شے نہیں ہوتی، وہ شخص پودوں کے اگنے کا طمع ولالچ نہیں کرتا، اور نہ ہی اس کھیتی کو کاٹنے کا انتظار کرتا ہے دوسرا وہ شخص جو مال اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے اپنے نفس اور ایمان کی پختگی کے لیے، لوگوں کی بھلائی کے لیے تو اس کی کھیتی کی مثال ایسے کہ اس کو تیز بارش نہ بھی ملے تو پھورا ہی کافی ہو کھیتی کے پھلنے پھولنے میں پس یہاں متنازع صورتیں، صورت تمثیلہ ہیں جو کائنات کے واقعات میں ایک واقعہ سے اقتباس کی گئی ہیں۔

ب۔ ایسی تصویر کشی جس کا تعلق خیال وافکار سے ہو۔ دیکھ نہیں سکتے لیکن سمجھ کے ساتھ معنی واضح کر سکتے ہیں۔ خیال سے چھینی گئی تمثیلی صورت میں اس تمثیل اس درخت سے ہے، جو شجرہ زقوم (جہنم میں اگنے والا درخت جس کو جہنم کی آگ بھی نہیں کھائے گی یہ کافروں کے لیے بطور سزا ہو گا جس کو وہ کھائیں گے) ہے۔ جو جہنم کے نیچے سے شیطانوں کے سروں کی صورت میں نکلے گا۔ لوگ شیاطین کے سروں کو نہیں جانتے کہ ان کی تصویر کیسی ہے، لیکن ان کے فہم میں شیاطین اور ان کے سروں کی صورت بہت خوف دلانے والی، منتفر کرنے والی اور قبیح ہے۔ اور اصل میں وہ انکے خیال سے بھی زیادہ خوفناک اور قبیح ہو گا۔

﴿اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ - اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ - اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ- طَلْعُهَا كَاَنَّه رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ - فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ -ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ-ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاْاِلَى الْجَحِيْمِ﴾[1]

بولو، یہ ضیافت اچھی ہے یاز قوم کادرخت ؟۔ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے فتنہ بنادیاہے۔وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلتاہے۔اس کے شگوفے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔پھر اس پر پینے کے لیے کھولتاہواپانی ملے گا۔اور اس کے بعد ان کی واپسی اسی آتش دوزخ کی طرف ہو گی۔

اب شجرۃ ز قوم کو دیکھا کیسی نے نہیں لیکن شیطان کے سروں اور اس کی خباثت و قبیح ہونے سے شجرۃ ز قوم کو واضح کیا گیا ہے۔ کیونکہ دنیا میں پائی جانے والی چیزوں میں سب سے خبیث اور قبیح شیطان ہی ہے تو اس میں مثال خیال سے چھیلتی گئی تمثیل ہے نہ کہ کسی واقعہ سے۔ اور کبھی واقعہ بھی اسی طرز پر مبنی ہو گا۔ لیکن مخاطبین ضرور ایک مقدار پر ان کے خیالات میں مخاطب کئے گئے ہونگے۔

کلام الہٰی ایک معجزہ ہے۔ ہر انسان اس کو اپنی سمجھ اور صلاحیت کے مطابق پڑھتا اور سمجھتا ہے، اسی طرح مختلف علماء مفسروں نے امثال القرآن کی تقسیم میں مزید تنوع درج ذیل انداز میں کی ہے۔

ا۔ امثال الکامنۃ

یہ وہ امثال ہیں جس میں مثل کے لفظ کو واضح طور پر نہ بولا گیا ہو۔ بلکہ صرف معانی کے ذریعے مثال واضح ہو جائے مختصر طور پر بہترین مفہوم بیان کر دے۔ جب اسے اس کے مشابہ امور کی طرف منتقل کیا جاتا ہے تو وہ خوب اثر انداز ہوتی ہے، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن میں امثال کامنہ تشبیہ، استعارہ یا کنایۃ کے طور پر آتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴾[2]

نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

ا۔ الصافات:۳۷/ ۶۲، ۶۸

۲۔ الاسراء:۱۷/ ۲۹

۲۔ امثال القصصیۃ

اس میں ماضی کی امتوں کے احوال بیان کیے جاتے ہیں۔ جن میں مشابہت کی بناء پر عبرت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ﴾[1]

اللہ کافروں کے معاملہ میں نوح (علیہ السلام) اور لوط (علیہ السلام) کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں، مگر انہوں نے اپنے ان شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ بھی نہ کام آسکے۔ دونوں سے کہہ دیا گیا ہے کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ۔

اسی طرح قرآن میں باقی امتوں، قوم نوح، لوط، ثمود کے احوال بیان کیے گئے ہیں، تاکہ جو گناہ اور زیادتیاں انہوں نے کی ان سے عبرت حاصل کی جائے۔ اس میں تشیہ مصرح اور تشبیہ کامن بیان کی جاتی ہے۔

۳۔ امثال الظاہرہ

یہ وہ امثال ہیں جن میں واضح الفاظ کے ساتھ مثال بیان کی جاتی ہے۔ اور لفظ مثل کے ساتھ وضاحت کی جاتی ہے۔ یا جو تشبیہ پر دلالت کرے۔

جیسے قول باری تعالیٰ ہے:

﴿كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُه الْمَكْنُوْنِ﴾[2]

ایسی حسین جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔

۱۔ التحریم:۶۶/۱۰

۲۔ التحریم:۶۶/۲۳

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَه مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَه كُنْ فَيَكُوْنُ﴾[1]

اللہ کے نزدیک عیسٰی کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

ان میں وہ امثال بھی شامل ہیں جس میں واضح طور پر تشبیہ یا قیاس بیان کیا جائے۔ چاہے وہ مثال بکاف التشبیہ کے ذریعے بیان کی جائے۔ یا دوسرے الادوات الدالۃ جو تشبیہ یا قیاس کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے بیان کی جائے۔

جیسے اللہ نے فرمایا:

﴿كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾[2]

ترجمہ: گویا یہ جنگلی گدھے ہیں۔

اور اسی میں وہ مثالیں بھی شامل ہیں، جن میں اداۃ القیاس اور تمثیل بالکل استعمال نہیں کیے جاتے۔ لیکن آیت کے معنی قیاسی ظاہر پر دلالت کرتے ہیں۔

قول باری تعالیٰ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾[3]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔

۴۔ امثال القصیرۃ الطویلۃ

قرآنی امثال طویل بھی ہیں اور قصیر بھی، لیکن ایسا کوئی میزان یا خاص صفات نہیں جس کے ذریعے ہم کسی آیت کو طویل یا قصیر قرار دے سکیں۔[4]

۱۔ ال عمران:۳/۵۹

۲۔ المدثر:۷۴/۵۰

۳۔ الحجرات:۴۹/۱۲

۴۔ القیرانی، ابن رشیق العمدۃ، محاسن الشعر، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، مصر، ط۱۳ سعادۃ ص:۱۹۶۳

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾(۱)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔

جن امثال کو وہ طویل شمار کرتے ہیں ان کو قرآن میں آنے والی دوسری مثالوں پر قیاس کر کے قصیر شمار کیا جاسکتا ہے۔

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾(۲)

انہیں مثال کے طور پر اس بستی والوں کا قصہ سناؤ جبکہ اس میں رسول آئے تھے۔

۵۔ امثال مصرح

وہ مثال جن میں واضح الفاظ کے ساتھ تشبیہ کے ذریعے مثال بیان کی جائے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ (17) صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (18)اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾(۳)

ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا. یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اب نہ پلٹیں گے. یا پھر ان کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ اندھیری گھٹا اور کڑک اور چمک بھی ہے، یہ بجلی کے کڑاکے سن کے اپنی جانوں کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ ان منکرین حق کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ چمک سے ان کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ گویا عنقریب بجلی ان کی بصارت اچک لے جائے گی۔

۱۔ العنکبوت:۲۹/۴۱

۲۔ الیسن:۳۶/۱۳

۳۔ البقرۃ:۲/۱۷۔۱۹

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مثالیں قرآن کی چراغ ہیں، ہر قرآنی مثال جواہرات کی سیڑھی، پھولوں کا برج، معزز خزانہ، علم کی دنیا، حقائق کا حق، عقل کے موتیوں کا سمندر اور سنت کے راستوں پر چلنے والوں کے لیے روشنی ہے۔

باب دوم: عقائد سے متعلق امثال القرآن

فصل اول: امثال القرآن کی تفہیم کے ذریعے تفہیمِ توحید

فصل دوم: امثال القرآن کے ذریعے تفہیمِ رسالت

فصل سوم: امثال القرآن کے ذریعے ایمان، کفر و نفاق کی تفہیم

فصل چہارم: امثال القرآن کے ذریعے اُخروی زندگی کی تفہیم

فصل اول: امثال القرآن کی تفہیم کے ذریعے تفہیمِ توحید

توحید کے لغوی معنی

توحید کا لفظ وحدت سے نکلا ہے، اس کا مادہ "و، ح، د"۔

لغوی طور پر توحید کا مطلب ایک ٹھہرانا، اکائی، اصرار کرنا، تنہا اور یکتا قرار دینا ہے۔

یہ عربی زبان کے لفظ وَحَّدَ سے لیا گیا ہے۔ جس کا مفہوم ہے۔ ایک کرنا، متحد یا مضبوط کرنا۔ اور توحید کا عقیدہ رکھنے والے کو موحد کہتے ہیں جیسا کہ المنجد میں ہے۔

الموحد: من یعقعد وحانیۃ اللہ (۱)

جیسا کہ امام راغب لکھتے ہیں:

الوحدۃ کے معنی یگانگت کے ہیں۔ اور واحد در حقیقت وہ چیز ہے جس کا قطعاً کوئی جز نہ ہو۔ پھر اس کا اطلاق موجود پر ہوتا ہے (۲)

توحید اللہ کو ایک ماننے کے لیے استعمال کیا جانے والا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے کہ انسان کا تمام اعمال میں جو بلا واسطہ یا بالواسطہ اللہ سے متعلق ہوں اللہ کی وحدانیت کی سمجھ رکھنا اور اسے قائم رکھنا ہے۔

توحید کے اصطلاحی معنی

شریعت کی اصطلاح میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور جملہ اوصاف وکمالات میں یکتا و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں اللہ کا کوئی ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں۔

امام النسفی مفہوم توحید کے بیان میں لکھتے ہیں:

عالم کو سب سے پہلے وجود عطا کرنے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، جو کہ واحد ہے قدیم ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، قدرت رکھنے والا ہے، جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، چاہنے والا ہے، ارادہ کرنے والا ہے، وہ عرض نہیں ہے نہ جسم، نہ جوہر ہے اور نہ اس کی شکل وصورت نہ محدود ہے اور نہ معدود نہ حصوں کی شکل میں ہے نہ جزء کی صورت میں، نہ مرکب ہے اور نہ متناہی نہ اسے ماہیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور نہ ہی کیفیت کے ساتھ، نہ ہی کسی مکان میں متمکن ہے اور نہ ہی کوئی زمانہ اس پر جاری ہے، کوئی چیز بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتی اور کوئی چیز بھی اس کی

۱۔ لولیس معلوف، المنجد فی اللغۃ، المکتبۃ الشرقیہ، فی بیروت۔ ۱۹۳۱ھ، ص: ۸۹۱

۲۔ امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ص: ۹۵۹

قدرت اور اس کے علم سے خارج نہیں۔ اس کی صفات ازلی ہیں جو اس کی ذات سے قائم ہیں اور یہ صفات نہ ہی وہ ذات باری تعالیٰ ہے اور نہ ہی اس کا غیر ہیں[1]

توحید کا موضوع انتہائی اہم اور قدر و منزلت کا حامل ہے انسان کی زندگی میں یہ مد اصل الاصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ توحید اور شرک قرآن کے اہم ترین مباحث میں سے ہیں، ان دونوں کا انسان کی خوش بختی اور بد بختی میں اہم کردار ہے، سب انبیاء نے توحید کی دعوت دی اس لیے انسانوں کی بد بختی ان کے گناہوں او عقائد سے انحراف کا سبب ہے، جبکہ توحید خوش بختی اور فلاح کا ذریعہ ہے۔ ان سب کے باوجود وہ مسئلہ جس میں انسانیت نے سب سے زیادہ کو تاہی کی وہ توحید ہے۔ انسان کی زندگی میں سب سے اہم کام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا اس کے اقسام اور احکام جاننا ہے۔

توحید کی اقسام

انسان ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا چلا آیا ہے اسے خالق، مالک اور رازق سمجھتا رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کی الوہیت میں کسی نہ کسی درجہ شرک ضرور کرتا رہا ہے۔

توحید کی تین قسمیں ہیں

ا۔ توحید ربوبیت

۲۔ توحید اسماء وصفات

۳۔ توحید الوہیت

توحید ربوبیت

ربوبیت کا لفظ رب سے نکلا ہے، جس کے معنی خالق، مالک اور مدبر کے ہیں، مومن اس بات پر کامل ایمان رکھتا ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کو پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اپنی مخلوقات پر تصرت کے تمام اختیارت اسی کے پاس ہیں۔ اور وہی امور کائنات کی تدبیر کرنے والا ہے، جس میں اس کا کوئی شریک نہیں، اسی نے تمام عالمین کو جو نظر آتے ہیں اور جو نظر نہیں آتے سب کو پیدا کیا ہے، پیدا کر کے یونہی چھوڑ نہیں دیا بلکہ ان کی مکمل رہنمائی کا انتظام بھی کیا ہے، وہ تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے، اس کے پاس کتاب میں سب تفصیل سے لکھا ہوا ہے کہ کس درخت میں کل کتنے پتے ہیں؟ ہر پتے کی وضع قطع کیا ہے؟ یہ بھی کہ دنیا میں میں کل کتنے جراثیم ہیں، ان کا حجم اور طول و عرض کیا ہے؟؟۔

ا۔ النسفی، عمر بن محمد، العقائد النسفیۃ، شعبۃ المکتبہ الدوابیۃ مکتبہ المدینۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۲۰۰۹م، ص:۲

کائنات کے نظام کا بنا کسی کی حدد اور شرکت غیر کے وہ اکیلا احسن طریقے سے چلا رہا ہے۔ اس کی اجازت کے بناء کوئی پتا بھی نہیں گر سکتا، اس کی بادشاہی کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ توحید کی یہ قسم اللہ کی معرفت پر مشتمل ہے۔

اپنی ربوبیت کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾(۱)

ترجمہ: تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾(۲)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اپنی ربوبیت کے اثبات میں فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ﴾(۳)

ترجمہ: اِن سے پوچھو، آسمان وزمین کا ربّ کون ہے؟۔۔۔ کہو، اللہ۔

کرب اور تکلف کے وقت آپ ﷺ ان کلمات طیبہ کا ورد فرماتے تھے۔

«لَا إِلَهَ إِلا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلا اللَّهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ»(۴)

ترجمہ: یعنی کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ کے جو بڑی عظمت والا بردبار ہے، کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ کے جو بڑے عرش کا مالک ہے، کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ کے جو مالک ہے آسمان کا اور مالک ہے زمین کا اور مالک ہے عرش کا جو عزت والا ہے۔

تمام انبیاء ورسل اللہ کی ربوبیت پر یقین رکھتے تھے، اسی کو مدد کے لیے پکارتے تھے۔ اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ذی شعور، معرفت میں کامل اور قول کے سچے تھے، زمین کی مخلوقات میں سے سے افضل تھے۔

۱۔ الفاتحۃ:۱/۱

۲۔ زمر:۳۹/۶۲

۳۔ الرعد:۱۳/۱۶

۴۔ مسلم بن الحجاج، الامام مسلم، صحیح مسلم، کتاب الذکر، باب دعاء الکرب، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض،۲۰۰۶م، ح:۶۹۲۱

توحید اسماء وصفات

اسلام سے پہلے عرب صرف اللہ کے نام سے واقف تھے۔ اللہ کے اسماء حسنیٰ، صفات عالیہ اور افعال کے درست تخیل سے نا آشنا و بیگانہ تھے۔ عربوں کی شاعری میں کہیں کہیں اللہ کا نام تو آتا تھا لیکن اس کی صفات کا کہیں ذکر نہیں ملتا، ایک مسلمان اللہ کے اچھے ناموں اور صفات کو تسلیم کرتا ہے۔ ان میں کسی کو شریک نہیں بناتا ارنہ ہی تاویل و تعطیل کرتا ہے۔ اور مخلوق کے ساتھ اس کے اسماء وصفات کو تشبیہ دے کر ان کی کیفیت اور مثل کا قائل بھی نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے نام اور صفات کا تذکرہ خود فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(۱)

ترجمہ: اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے، اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس کا بدلہ وہ پا کر رہیں گے۔

رسول ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ کے ۹۹ یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے انہیں یاد کیا وہ جنت میں داخل ہو گا(۲)

نیز ارشاد ربانی ہے۔

﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾(۳)

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے، اور اسی طرح جانوروں میں بھی (انہی کے ہم جنس) جوڑے بنائے، اور اس طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

امام شافعی عقیدہ اسماء صفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

جس طریقہ کار کو میں نے اختیار کیا اور جس منہج پر میں نے امام سفیان ثوری اور امام مالک کو دیکھا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اس کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی شریک معبود نہیں۔ اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ عرش

۱۔ الاعراف:۷/۱۸۰

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دارالسلام، للنشر والتوزیع الریاض، ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶م، ح:۷۳۹۲

۳۔ الشوریٰ:۴۲/۱۱

پر آسمان میں ہیں۔ اور اپنی مخلوق سے بھی قریب ہوتا ہے، جیسے وہ چاہتا ہے۔ اور آسمان دنیا پر بھی نزول فرماتا ہے، جیسے وہ چاہتا ہے[1]

توحید الوہیت

الوہیت کا لفظ "الہ" سے نکلا ہے۔ جس کے معنیٰ معبود برحق کے ہیں اس بات کا اعتراف کرنا۔ کہ اللہ ہی وہ واحد ہستی ہے جو عبادت کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾[۲]

ترجمہ: اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

عبادت، عَبَدَ یَعْبُدُ سے مصدر ہے۔ جس کا معنیٰ ہے فرمانبرداری کرنا۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں:

عبودیت کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا، مگر عبادت کا لفظ انتہائی درجے کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ معنوی اعتبار سے عبادت کا لفظ عبودیت سے زیادہ بلیغ ہے۔ لہذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہوسکتی ہے، جو بے حد صاحب فضل وانعام ہو اور یہ صرف اللہ کی ذات ہے[۳]

توحید ربوبیت پر تو اہل کفار بھی ایمان رکھتے تھے۔ جو بات جھگڑے کا باعث بنی وہ توحید الوہیت تھی۔ زمانہ ماضی میں بھی تمام انبیاء اور ان کے مخالفین کے درمیان جو بات اصل محل نزاع رہی وہ توحید الوہیت ہی تھی۔ اس لیے کہ اس توحید کا تعلق بندوں کے ان افعال سے ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ مثلاً دعا، نذر، قربانی، امید، خوف، توکل، رغبت، رجوع اور محبت، توبہ کرنا، رکوع عبادت، سجدہ کرنا، عاجزی کا اظہار اور انتہا درجے کی تعظیم وغیرہ۔

یہ سب کے سب اعمال عبادت ہیں۔ اور اللہ کے لیے ہی خالص ہونے چاہیئے پیروی کا طریقہ کار سنت رسول ﷺ کے مطابق ہونا چاہیئے۔

۱۔ الذهبی، محمد بن احمد بن عثمان، العول لعلی الغفار فی ایضاح صحیح الاخیار وسقیمها، مکتبه اضواءالسلف، الریاض، الطبعة الاولیٰ،۱۴۱۶ھ،۱۹۹۵م،ص:۱۶۵

۲۔ النساء:۳۶/۴

۳۔ المفرادت فی غریب القرآن،۲/۱۰۰

عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:

رسول ﷺ نے ایک مرتبہ میرے جسم کے کسی حصے کو پکڑ کر فرمایا: اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّه لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[2]

ترجمہ: سو (اے نبی!) آپ یقین کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

توحید الوہیت کے تصور کو واضح کرنے کے لیے اللہ نے قرآن میں جابجا کئی قرآنی آیات بطور استدلال پیش کی اور اس کی وضاحت کے لیے کئی قرآنی امثلہ بھی پیش کی ہیں تاکہ توحید کو پہچان کر اہل فہم و بصیرت حقیقی فلاح پاسکیں۔

تفہیم توحید میں قرآنی مثال درج ذیل ہے۔

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ. اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِه مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[3]

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنالیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو بھی پکارتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے اور وہی زبردست اور حکیم ہے۔

اس آیت کی شرح میں امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

"جو لوگ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے سوا اوروں کی پرستش اور پوجا پاٹ کرتے ہیں، ان کی کمزوری اور بے علمی کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ ان سے مدد، روزی اور سختی میں کام آنے کے امیدوار رہتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مکڑی کے جالے میں بارش اور دھوپ و سردی سے پناہ چاہتے، اگر وہ علم رکھتے ہوتے تو خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے امیدیں وابستہ نہ کرتے، پس ان کا حال ایمانداروں کے حال کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ایک مضبوط کڑے کو تھامے ہوئے ہیں، اور یہ مکڑی کے جالے میں اپنا سر چھپائے ہوئے ہیں۔ اعمال صالح کرنے والوں کا دل اللہ کی طرف مشغول ہے اور ان کا مخلوق کی طرف اور جسم ان کی پرستش کی طرف جھکا ہوا ہے، پھر اللہ مشرکوں کو ڈرا رہا ہے کہ وہ ان سے خوب آگاہ ہے اور اس

۱۔ امام احمد بن حنبل، مسند، مؤسسۃ الرسالۃ۔ بیروت، ۲۰۰۹، ۱۰/۶۱۵۶

۲۔ محمد: ۴۷/۱۹

۳۔ العنکبوت: ۲۹/۴۱، ۴۲

شرارت کا خوب مزہ چکھائے گا۔ اللہ کی ڈھیل میں مصلحت اور حکمت پنہاں ہے۔ اللہ نے مسائل واحکام مثالوں کے ذریعے خوب سمجھا دیئے ہیں لیکن اس میں غور و فکر با عمل لوگ ہی کرتے ہیں"[۱]

اللہ نے مشرکین کو مکڑی اور ان کے بتوں کو مکڑی کے گھر سے تشبیہ دی ہے۔ یہ مثال صرف مشرکین کے لیے خالص نہیں ہے، بلکہ ہر اس شخص کے لیے انہوں نے بیان کی ہے۔ جو اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کی عبادت بھی کرتا ہے اور اللہ کے سوا ان کو اپنا ولی سمجھتا ہے، بتوں کی عبادت صرف پتھروں کی عبادت تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کے علاوہ کسی بھی چیز کی عبادت اس میں شامل ہے۔ اس کا مقصد ان سے عزت، قوت اور منفعت کا حصول ہو، اس میں سلطنت، نفس پرستی، عہدہ و مقام و مال وجاہ و دولت کے بت بھی شامل ہیں۔

سورۃ یٰسین میں بتوں کی عبادت کی ایک شکل یہ بیان کی گئی ہے:

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾[۲]

ترجمہ: آدم کے بچو، کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یعنی شیطان کی عبادت واطاعت کرنا دراصل بتوں کی عبادت کرنا ہی ہے، لیکن شیطان کی عبادت کیسے ہوتی ہے؟ کیا نماز، روزہ شیطان کے لیے ہوتا ہے اس کا جواب ہے ہر گز نہیں۔ ایسا کوئی نہیں کرتا۔ اس کی عبادت سے مراد یہ ہے کہ انسان شیطان کی مرضی کے مطابق کام کرے۔ حلال و حرام کی تمیز بھول جائے، بیت عنکبوت کو اپنا حصار سمجھے ایسا کرنا دراصل شیطان کی عبادت کرنا ہے۔

ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ سے غافل کر دے وہ بت پرستی ہے، وہ چیز انسان کا بت ہوتی ہے۔ بظاہر وقتی دنیاوی فائدے کے لیے وہ توحید الوہیت کا منکر بن جاتا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے مقصود کے بالکل برعکس ہے۔ معبودان باطل کا عقیدہ کہ جو انہوں نے گھر اور گھڑ وہ اان کے حامی و مددگار اور سرپرست ہیں، قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی پوجا پاٹ کرکے، نذر و نیاز دے کر سرپرستی حاصل کر لیں گے۔ آفات سے محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن ان کے باطل توقعات پر کف افسوس کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ نے ان کے نظریات کے ابطال کے لیے کتنی بلیغ و مؤثر مثال دی ہے کہ کائنات کے حقیقی فرمانروا کو چھوڑ کر سراسر خیالی معبودوں کے اعتماد پر جو توقعات کا گھروندا کم نے بنا رکھا ہے۔ اس کی حقیقت مکڑی کے جالے کے سوا کچھ نہیں، مکڑی کا گھر سب گھروں میں نہاہت بودا، کمزور اور ناپائیدار ہے، ہاتھ کے ادنیٰ سے اشارے پر نیست و نابود ہا جات اہے، گھر جو انسان کے لیے سکون اور راحت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جس کے لیے انسان محنت و شفقت کرتا ہے، لیکن وہ ہی جب ضرورت کے وقت کام نہ آئے محض سراب اور دھوکہ ہو تو ایسی محنت اور ساری

۱۔ ابن کثیر، اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، دارالاشاعت، اردو بازار، ایم۔ اے جناح روڈ، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۸ء، ۴/۱۳۳

۲۔ یٰسین: ۳۶/۶۰

جمع و پونجی کا حاصل کیا۔ تو اللہ مکڑی کے جالے جیسے کمزور گھر کی مثال دے کر معبودان باطل کی حقیقت سمجھا رہے ہیں۔ کہ اصل مشکل کشا صرف اللہ کی ذات ہے ہ، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مشرکین کے دیوتاؤں کی یہ تمثیل ان کی مبالغہ آمیز تحقیر ہے، یہ تحقیر بلکہ حقیقت کا اظہار ہے، مکڑی کا گھر نہ سردی سے بچاتا ہے اور نہ گرمی سے، ہوا کے ایک جھونکے سے خاک ہو جاتا ہے، بارش کے چند قطروں کا مقابلہ نہیں کر پاتا حکماء کا قول ہے کہ مکڑی کا آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں، ان کے اندر ایک زہریلا مادہ ہوتا ہے۔ جو آدمی کو ہلاک کر دیتا ہے اس طرح مشرکین ہر جانب دوڑتے ہیں ان ک ی نگاہیں چکا چوند رہتی ہیں ان کے اندر شرک کا زہریلا مادہ ہوتا ہے۔ جو ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہے۔ کافر کا دین مکڑی کے جالے کے مشابہ ناپائیدار اور لیل وخوار اور بے حقیقت و مقدر رہا ہے۔ عزیز و حکیم ذات کو چھوڑ کر ناتواں اور کمزور کو اپنا سہارا بنانا کمال ابلہی ہے۔ لیکن یہ مثالیں علم والے ہی سمجھتے ہیں، اس مثال کے ذریعے اللہ نے امور عقلیہ کو اور رحستیہ کے ذریعے واضح کیا ہے، اگر یہ سہارے اتنے مضبوط ہوتے تو گزشتہ اقوام کو تباہی سے بچا لیتے۔

عصر حاضر کی روشنی میں یہ مثال یک عجیب اور سچی تصویر پیش کرتی ہے۔ ان تمام قوتوں کے جو اس کائنات میں سجود ہیں، اس میں ایسی حقیقیت کو واضح کی گیا ہے۔ جس سے لوگ بالعموم غافل ہیں، اس غفلت کی وجہ سے ان کے پیمانے اور اقدار بدل جاتے ہیں، پھر وہ غلط رابطے قائم کر کے غلط سمت چل پڑے ہیں۔ صحیح فیصلہ نہیں کر پائے کہ کیا لیں اور کی چھوڑیں اس غلط سوچ کی وجہ سے وہ ریاستی قوت سے بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں اس زمین پر اصل قوت ریاستی قوت ہے، اس لیے وہ اس سے ڈرتے ہوئے دنیاوی منفعتوں کے لیے اس کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ان کی اذیتوں سے بچنے کے لیے غلط حمایت کرتے ہیں۔ پھر دولت کی قوت کا دھوکہ بھی ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ذریعے زندگی کی قدریں حاصل ہوتی ہیں تمام اقدار حیات دولت کے تابع ہے۔ ایسے لوگوں کو حصول دولت کا شوق اور زوال دولت کا خوف حلال و حرام کی تمیز بھلا دیتا ہے، ظاہری قوتیں، سائنسی قوت، سوسائٹی کی قوت میں انسان اصل قوت کو بھول جاتا ہے، بالکل مکڑی کے جالے کی طرح ایسے اپنی کامیابی و فلاح کو محور سمجھ لیتا ہے، اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ان سب قوتوں کو پیدا کرنے والی عظیم قوت اللہ تعالیٰ ہے، جو ان سب کی مالک ہے، جب چاہے ان قوتوں کی تسخیر کرنے والوں کو پھیر دے، دنیا کی ان ظاہری اور حقیر طاقتوں کے پاس پنال لینا، خواہ افراد کے ہاتھ ہوں یا سوسائٹی کے یا حکومت کے پاس ہوں۔ اسی طرح ہے جس طرح کوئی تار عنکبوت کا سہارا لے یا عنکبوت میں پناہ لے، عنکبوت کا اطلاق واحد، جمع، مزکر مونث سب پر ہوتا ہے، عنکبوت کی "ت" طاغوت کی "ت"، جیسی ہے، مثال محض داستان سرائی نہیں ہوتی، جب مثال بیان کی جاتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر انسان اس میں اپنا ماضی و مستقبل دیکھ سکے، قرآن ایک معجزہ ہے، جو رہتی دنیا کے آنے والے سب انسانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے، لیکن اس سے سبق صرف عقل و علم والے ہی

لیتے ہیں، جن کے دل مردہ ہو جاتے ہیں دنیا کی رنگینوں میں بے فکر ہو جاتے ہیں وہ محض دل بہلانے کا ذریعہ سمجھ کر کوئی درس تلاش نہیں کرتے۔

یہ عظیم حقیت قرآن ہی لوگوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے کہ اصل حمایت اللہ کی حمایت ہے، تمام قوتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، باطل قوتیں جتنی بھی طاقتوت و سرکش ہوں وہ کمزور اور ناتواں ہیں، سب بیت عنکبوت ہیں اور عام طاقتیں اور وسائل تار عنکبوت، اہل ایمان نے اللہ کے بھروسے پر تمام جباروں اور قہاروں کی گردنیں مروڑدی اور بڑے بڑے قلعے مسمار کر دیئے تھے۔ بشرطیکہ ایمان و نظریہ مضبوط ہو کہ اصل و حقیقی قوت اللہ ہیں۔

قرآنی امثال عقل و فہم اور انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ اس لیے دعوۃ کے لحاظ سے یہ امثال بہت اہم ہیں، ان امثلہ کے ذریعے دعوت دی جائے تو انسانی ذہین میں توحید بہت اچھے طریقے سے واضح ہو جائے، قرآن تمام کا تمام توحید پر دلالت کرتا ہے۔

ابن القیمؒ نے فرمایا:

”قرآن کی ہر آیت توحید پر مشتمل ہے۔ قرآن یا تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر دیتا ہے یا اس کے اسماء وصفات وافعال کے بارے میں، جو کہ توحید علمی خبری ہے، یا اللہ کی عبادت کی طرف دعوت ہے، جس کی سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ توحید اارادی طلبی ہے، یا پھر امر ادنواہی ہی رہیں جو توحید کے حقوق ہیں یا پھر اہل توحید کے لیے اللہ کی کرامات کا ذکر ہے، جو کہ ان اطاعت کی وجہ سے دنیا میں ان کی عزت واکرام اور آخرت میں ان کی جزاء کا سبب ہے [۱]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر توحید کی امثال آسان طریقے سے بیان کر کے ان پر حجت قائم کر دی۔ ان امثلہ کو اسی طریقے سے بیان کیا جن کو سمجھنا انسانی عقلی کے لیے بہت آسان ہے۔ عقلی دلائل کے ذریعے توحید کے بارے میں ہر طرح کے شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں۔ وہ داعی جو فتنوں اور آمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں جنہیں قید وبند، تشدد واذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے، ان کے لیے عقیدہ توحید اور بیت العنکبوت جیسی امثلہ نہایت اہمیت کی حامل ہیں وہ اس حقیقت کو کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں کہ یہ قوتیں تار عنکبوت ہیں اصل طاقت کا سرچشمہ ذات الٰہی ہے۔

توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کے لیے اللہ نے قرآن میں بے شمار نقلی اور عقلی دلائل دیئے ہیں، جیسے مکھی کی مثال۔ مملوک اور آقا کی مثال وغیرہ

۱۔ امام ابن القیم الجوزیۃ، شمس الدین، مدارج السالکین، دار الکتب العربی، بیروت، الطبعۃ السابعۃ، ۱۴۲۳ھ، ۳/۴۱۷

فصل دوم: امثال القرآن کے ذریعے تفہیمِ رسالت

رسالت و نبوت کے لغوی اور شرعی معنی

رسالت کے معنی ہیں پیغام پہچانا، ارسال کے معنی میں اور مراسلہ کے معنی میں پیغامات کا تبادلہ کرنا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ بھیجنے کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ﴾[۱]

ترجمہ: اور وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے۔

رسالت دراصل سفارت اور نمائندگی کا ہم معنی لفظ ہے، اور رسول و مرسل کے معنی ہیں پیغام پہنچانے والا اور نمائندگی کرنے والا۔

لفظ نبوت کا مادہ ن، ب، و، بھی ہو سکتا ہے اور، ن، ب، ء، بھی ن، ب، و کے اعتبار سے اس کا مصدر ''نبوۃ'' اور'' نباوۃ'' آتا ہے، جس کے معنی بلندی اور عظمت کے ہیں۔ زمین کی سطح مرتفع کو عربی زبان میں ''نبوۃ'' کہاجاتا ہے ''نَبا'' کے مادے سے اس کا مطلب عظیم اور سچی خبر دینا ہے۔

''نبا'' اس خبر کو کہتے ہیں جو بڑے فائدے کی ہو۔ جس سے سننے والے کو یقین حاصل ہو یا جس سے سننے والے کو ظن غالب حاصل ہو۔[۲]

قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ لفظ عظیم، یعنی بڑی خبر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ﴾[۳]

ترجمہ: اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصّہ بھی بے کم و کاست سنادو۔

حضرت آدمؑ کے ان دو بیٹوں، یعنی ہابیل اور قابیل کی اس بڑی خبر میں عبرت اور نصیحت پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم کے ۸۰ مقامات پر لفظ نبا عظیم اور سچی خبر کے معنوں میں آتا ہے۔

۱۔ الفرقان:۴۸/۲۵

۲۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن، باب النون مع الباء، مکتبہ نزار مصطفی الباز، ص:۴۹۹

۳۔ المائدہ:۲۷/۵

اس مادے کے لحاظ سے ''نَبَیٌ'' اصل میں نَبِئٌ ہے، جس کے معنی ہیں عظیم اور سچی خبر دینے والا۔ خدا کا نبی بھی اس کی جانب سے احکام دینے والا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے احکام اور اس کی خبریں سچی ہوتی ہیں اور عظیم المنافع بھی۔ اس لیے اس عظیم انسان کو نبی کہا جاتا ہے۔ جو اللہ کی جانب سے احکام شرعیہ کی تبلیغ و تعلیم پر مامور ہو۔

عقیدہ رسالت کا مفہوم

عقیدہ توحید کے بعد ایمان کا دوسرا بنیادی رکن عقیدہ رسالت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے انہی میں سے انبیاء ورسل بھیجے وہ سب سچے پیغمبر ہیں ان پر بذریعہ وحی اللہ کی طرف سے احکام نازل ہوتے تھے ان سب پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا لازم وواجب ہے۔ ان رسولوں پر بھی ایمان لانا جن کے اللہ نے نام بتادیے اور ان پر بھی جن کے نام نہیں بتائے۔ تمام رسول اپنے بعد میں آنے والے رسول کے خوشخبری دیتے تھے اور بعد میں آنے والا پانے سے پہلے کی تصدیق کرتا تھا۔ سب سے پہلے نبی نوحؑ اور سب سے آخر رسول محمد ﷺ ہیں، اور اب قیامت تک صرف آپ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَه مُسْلِمُوْنَ﴾(۱)

ترجمہ: مسلمانو! کہو کہ ''ہم ایمان لائے اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں''۔

نبی کی ضرورت واہمیت

سورۃ نساء میں ۱۲ انبیاء کے نام لے کر اور باقی کا حوالہ دے کر اللہ نے فرمایا:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾(۲)

۱۔ البقرۃ:۲/۱۳۶

۲۔ النساء:۴/۱۶۵

ترجمہ: یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔

اس مضمون کی آیات قرآن کی دوسری سورتوں میں بھی آئی ہیں۔

مثلاً سورۃ طٰہٰ: ۱۳۴، بنی اسرائیل: ۱۵، القصص: ۵۹، ابراہیم: ۴، یونس: ۴۷، ان آیات میں نبوت کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اللہ کی حکمت اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جن کو ان کے عمل کی وجہ سے سزا دے تو تعلیم و تفہیم اور اتمام حجت کے بعد دے تاکہ کسی کے پاس لاعلمی اور بے خبری کا عزر پیش کرنے کا موقع باقی نہ رہے، انبیاء اسی لیے مبعوث کئے گئے ہیں کہ وہ اللہ کے بندوں کو اس کی مرضی اور احکام سے باخبر کریں، وحی اور رسالت کے علاوہ کوئی دوسرا یقینی اور قطعی ذریعہ نہیں ہے، جس سے اللہ کی پسند اور ناپسند کا علم ہو سکے۔ عقل انسانی اس بارے میں خود کفیل نہیں ہے ار ہر ایک انسان کے اندر یہ قابلیت اور قوت برداشت بھی نہیں ہے۔ کہ وہ براہِ راست اپنے رب سے ہمکلام ہو سکے۔ ضرورت نبوت کے بارے میں آپ ﷺ کے ارشاد ہے۔

انسان اپنی کم عقلی کی وجہ سے پروانوں کی طرح آگ میں کودتے ہیں اور انبیاء پکارتے ہیں بچو آگ سے[۱]

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے وحی کو بارش سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح زمین کی سرسبزی و شادابی بارش پر موقوف ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کی معاشرتی زندگی بھی وحی الٰہی اور تعلمات رسول ﷺ کے بغیر آراستہ وشائستہ اور استوار و خوشگوار نہیں ہو سکتی[۲]

امام غزالی (۵۰۵ھ) اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

"مخلوق کو انبیاء کی اسی طرح احتیاج ہے، جس طرح انہیں طبیبوں کی ضرورت ہے۔ طبیب کی سچائی تجربے سے پرکھی جاتی ہے۔ اور نبی کی سچائی معجزے سے معلوم ہوتی ہے"[۳]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اس موضوع پر طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ رسالت اس دنیا کی جان ہے، روشنی ہے، اور زندگی ہے، اس جہان کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے جب اس کی روح اور جان نہ ہو۔ روشنی نہ ہو اور زندگی نہ ہو۔ یہ دنیا تاریک بھی ہے اور ملعون بھی۔ جب تک اس پر رسالت کا سورج طلوع نہ ہوا[۴]

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ووھبنا لداوٗد سلیمان، ح: ۳۴۲۶

۲۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلم، ح: ۸۹

۳۔ امام غزالی، ابو حامد محمد، احیاء العلوم، کتاب العقائد، فصل ثالث، دارالاشاعت، ۲۰۱۵، اردو بازار، کراچی، ۱/ ۸۵

۴۔ امام حافظ ابن تیمیہ، فتاوی ابن تیمیہ، دارالسلام ریاض، طبع، ۱۳۸۲ھ، ۱۹/ ۹۳

سب سے بڑی تاریکی شرک اور جہالت کی تاریکی ہے، جو علم نبوت کا سورج طلوع ہونے سے ہی ختم ہو سکتی ہے جو روحانی زندگی کو منور کرنے کا ذریعہ ہے۔

نبوت وہبی ہے

انبیاء کا چناؤ خالص اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے، وہ جسے چاہتا ہے کہ یہ منصب عطا فرماتا ہے۔ اسے محنت اور ریاضت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه ﴾[1]

ترجمہ: اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ وہ اپنا کلام انسان تک پہچانے کے لیے انسانوں ہی میں سے انبیاء کو منتخب کرتا ہے، کسی غیر انسان کو اس نے کبھی بھی رسول بنا کر انسانوں کی طرف نہیں بھیجا، ورنہ اطاعت کرنا ایک مشکل امر ہوتا۔

رسالت نبوت سے زیادہ خاص ہے، اس لیے ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

ایمان بالرسول کی تفصیل

* مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ نے ہر امت میں رسول بھیجا تھا جو انہیں ایک اللہ کی عبادت اور غیر اللہ کی عبادت کے انکار کی دعوت دیتا تھا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾[2]

ترجمہ: ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

* مومن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ تمام پیغمبر، سچے، نیک، ہدایت یافتہ، معزز، متقی اور امین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِه دَاودَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰي وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۔ وَزَكَرِيَّا

۱۔ الانعام: ۱۲۴/۶

۲۔ النحل: ۳۶/۱۶

وَيَحْيٰى وَعِيْسٰي وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ . وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: پھر ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو راہِ راست دکھائی۔ ﴿وہی راہِ راست جو﴾ اس سے پہلے نوح (علیہ السلام) کو دکھائی تھی۔ اور اسی کی نسل سے ہم نے داود (علیہ السلام)، سلیمان (علیہ السلام)، ایّوب (علیہ السلام)، یوسف (علیہ السلام)، موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کو ﴿ہدایت بخشی﴾۔ اس طرح ہم نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿اسی کی اولاد سے﴾ زکریا (علیہ السلام)، یحیٰی (علیہ السلام)، عیسٰی (علیہ السلام) اور الیاس (علیہ السلام) کو ﴿راہ یاب کیا﴾۔ ہر ایک ان میں سے صالح تھا۔ ﴿اسی کے خاندان سے﴾ اسماعیل (علیہ السلام)، الیسع (علیہ السلام)، اور یونس (علیہ السلام) اور لوط (علیہ السلام) کو ﴿راستہ دکھایا﴾۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پر فضیلت عطا کی۔

* یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ نے اپنی رسالت اور تبلیغ کے لیے مخلوق میں سے سب سے افضل لوگوں کو چنا اور وہ جسمانی صحت اور اخلاق میں بھی سب سے کامل تھے۔ مخلوق میں سے کوئی ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

قرآن میں ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾[2]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ ﴿اپنے فرامین کی ترسیل کے لیے﴾ ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے، اور انسانوں میں سے بھی۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ﴾[3]

ترجمہ: ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پر فضیلت عطا کی۔

* اور اس پر ایمان لانا کہ جو کچھ اللہ نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیا انہوں نے اسے کھلم کھلا پہنچا دیا اور امانت کا حق ادا کر دیا۔

۱۔ انعام:۶/۸۴،۸۶

۲۔ الحج:۲۲/۷۵

۳۔ انعام:۶/۸۶

ارشاد ربانی ہے:

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾[۱]

ترجمہ: اور تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ﴾[۲]

ترجمہ: اس نے کہا کہ اس کا علم تو اللہ کو ہے ۲۶، میں صرف وہ پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو۔

* تمام انبیاء اور رسول انسان تھے۔ کھاتے پیتے، نکاح کرتے، سوتے اور بیمار ہوتے تھے۔ ان کو بھی غم، خوشی اور تھکاوٹ لاحق ہوتی تھی۔

قرآن میں ہے:

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾[۳]

ترجمہ: ان کے رسولوں نے ان سے کہا" واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾[۴]

ترجمہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے وہ سب بھی کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے۔

* **مسئلہ علم غیب**

غیب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ اللہ انبیاء اور رسولوں کو اپنے دین کی تعلیم اور تبلیغ کے لیے منتخب کیا تھا، وہ غیب سے صرف اتنا ہی ہی آگاہ تھے جتنا اللہ نے ان کو آگاہ کر دیا تھا، خود سے غیب جاننے کی صلاحیت انہیں نہیں

۱۔ الاعراف:۷/۶۸

۲۔ الاحقاف:۴۶/۲۳

۳۔ ابراہیم:۱۴/۱۱

۴۔ الفرقان:۲۵/۲۰

دی گئی تھی، یہود و نصاریٰ کے اس عقیدے کا رد کرنا کہ اللہ کی کوئی اولاد ہے۔ جس کی وجہ سے انہیں خاص مقام حاصل ہے۔

قرآن میں ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِهٖٓ اَحَدًا. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾[1]

ترجمہ: وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اس رسول کے جسے اس نے ﴿غیب کا کوئی علم دینے کے لیے﴾۔

* مراتب انبیاء

یہ عقیدہ رکھنا کہ پیغمبر درجات میں ایک دوسرے سے متفاوت تھے،

جس ی طرف قرآن مجید میں یوں ارشاد کیا گیا ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾[2]

ترجمہ: یہ رسول ﴿جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے﴾ ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہمکلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے، اور آخر میں عیسٰی ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روحِ پاک سے اس کی مدد کی۔

بعض انبیاء کو بعض پر خاص خصوصیات میں فضلیت حاصل ہے، جیسا کہ داوٗدؑ کے بارے میں قرآن مجید نے ارشاد کیا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَه وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾[3]

ترجمہ: ہم نے داوٗد کو اپنے ہاں سے بڑا فضل عطا کیا تھا۱۴۔ (ہم نے حکم دیا کہ) اے پہاڑو، اس کے ساتھ ہم آہنگی کرو (اور یہی حکم نے) پرندوں کو دیا۔ ہم نے لوہے کو اس لیے نرم کر دیا۔

۱۔ الجن: ۷۲/۲۶،۲۷

۲۔ البقرۃ: ۲/۲۵۳

۳۔ الحدید: ۵۷/۱۰

* عصمتِ انبیاء

یہ ایمان لانا کہ پیغمبر غلطی سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں، اللہ انہیں کبیرہ گناہوں سے محفوظ اور ہر عیب سے پاک رکھتے ہیں، وہ خلاف مروت کامو، عزت و قار کے منافی اعمال اور انسانی قدرو منزلت کو برباد کرنے والی حرکتوں سے بچے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک سے اگر صغیرہ گناہ کا اظہار ہو تو اسے ان کے لیے بیان کر دیا جاتا ہے اروہ جلد ہی اللہ کی بارگاہ میں توبہ، انابت اور رجوع کر لیتے ہیں، جس سے وہ ایسے ہو جاتے ہیں جیسے غلطی ہوئی نہیں۔
اسلام واحد دین ہے جو انبیاء کی عصمت کا داعی ہے۔ اور انہیں بہتر اور عمدہ القاب سے نوازتا ہے۔
جیسے، محسنین، صالحین، صدیقاً نبیاً، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾[(۱)]

ترجمہ: ان کے ذکر جمیل کو بلند درجے کا کر دیا۔

﴿عِنْدَ رَبِّه مَرْضِيًّا﴾[(۲)]

ترجمہ: اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔

انبیاء کے معصوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پاکباز اور مقدس ہیں۔ اپنی مرضی سے نہ کچھ کہتے ہیں اور نہ ہی کرتے ہیں، ان کا ہر کام اللہ کے حکم اور وحی کے مطابق ہوتا ہے، خصوصاً نبی اکرم ﷺ کے متعلق قرآن مجید وضاحت سے کہتا ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى - اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾[(۳)]

ترجمہ: وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔

* اولوالعزم انبیاء

اس بات پر ایمان رکھنا کہ نبی کریم ﷺ الوالعزم پانچ انبیاء میں سے ہیں، جو دعوت دین میں حد درجہ کوشش کرنے والے، اپنے آپ کو تھکا دینے والے اور اس راہ میں آنے والی اذیت کو بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ برداشت کرنے والے تھے۔

۱۔ مریم:۱۹/ ۵۰

۲۔ امریم:۱۹/ ۵۵

۳۔ النجم:۵۳/ ۳،۴

وہ اولوالعزم انبیاء حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ ہیں، اللہ نے فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ﴾(۱)

ترجمہ: پس اے نبی، صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے، اور ان کے معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ جس روز یہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے

رسالت محمدیہ پر ایمان

نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے بغیر ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔ ایمان بالرسل کی تفصیل کے بعد کچھ باتیں خاص آپ ﷺ کی ذات سے منسوب ہیں۔ جن پر ایمان لائے بغیر عقیدہ رسالت کی تصدیق ممکن نہیں، ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب الہاشمی القریشی، جن کا لقب ''النبی الامی'' ہے۔ اسماعیل بن ابراہیم الخلیل کی نسل سے ہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

چند خصائص جو آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، درج ذیل ہیں۔

* خاتم الانبیاء

اس بات پر ایمان لانا کہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت قیامت تک کے لیے سب جن وانس کے لیے عام ہے، سب کی نجات صرف آپ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اتباع میں ہی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(۲)

ترجمہ: اور (اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

* تبلیغ رسالت کی تکمیل

اس بات پر پختہ ایمان رکھا جائے کہ آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام مکمل طور پر پہنچا دیا۔ امانت کا حق ادا کر دیا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر تمام صحابہ نے متفقہ طور پر کہا تھا: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا، آپ ﷺ نے امانت ادا کر دی اور آپ ﷺ نے امت کی خیر خواہی کر دی'' یہ سن کر آپ ﷺ

۱۔ الاحقاف: ۴۶/۳۵

۲۔ سبا: ۳۴/۲۸

نے شہادت والی انگلی کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے اور لوگوں کی طرف منہ موڑتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا[۱]

* ساری مخلوق حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ آپ ﷺ سے محبت کی جائے۔ رسول ﷺ نے فرمایا:
تم میں سے کوئی اس وقت مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں[۲]

* آپ ﷺ سے محبت کے ساتھ ساتھ اتباع و پیروی لازم قرار دی گئی، فقہی، قانون، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور دینی امور سب میں آپ ﷺ سے براہ راست راہ نمائی لی جائے، قرآن مجید میں تقریباً ۴۰ مقامات پر اطاعت اور اتباع رسول ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ اللہ کے ساتھ بندے کی محبت کو اتباعِ رسول ﷺ کے ماتحت کر دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾[۳]

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔

پھر فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾[۴]

ترجمہ: اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو۔

* توقیر واحترام انبیاء

ایمان کا لازمی حصہ ہے کہ تمام انبیاء کی طرح آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ جس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو نام لے کر نہ پکارا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کو یایھاالرسول، یایھاالمزل، یایھاالنبی، یایھاالمدثر، کہہ کر پکارا ہے۔ جبکہ دیگر انبیاء کو ان کے ناموں کے ساتھ یا آدم، یانوح، یاابراہیم وغیرہ کہہ کر پکارا۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ بن قشیری حجاج امام مسلم، صحیح مسلم، دارالسلام، للنشر، والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۶، ص:۲۹۵۰

۲۔ امام بخاری، صحیح بخاری، دار لسلام، للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶م، ح:۱۵

۳۔ النساء:۴/ ۸۰

۴۔ ال عمران:۳/ ۳۱

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾[1]

ترجمہ: مسلمانو، اپنے درمیان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔

مسلمانوں کو رسول ﷺ کے سامنے آوازیں بند کرنے اور آپ ﷺ کے مقام کے پیش نظر بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے سے بھی منع فرمایا آپ ﷺ کی تعظیم میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی بھی نبی، ولی، امام کی بات کو آپ ﷺ کے مقابلے میں ترجیح نہ دی جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَه بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو

* احترام نبی آخر الزمان ﷺ

جب بھی آپ ﷺ کا نام لیا جائے آپ ﷺ پر دورد پڑھا جائے، آپ ﷺ کی ذات بابرکت میں دیگر قوموں کے انبیا کی طرح غلو نہ کیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾[3]

ترجمہ: اللہ اور اس کے ملائکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

حضرت عیسیٰؑ کی طرح آپ ﷺ کو خدائی کا درجہ نہ دیا جائے جیسا کہ نصرانی حضرات کا وطیرہ ہے۔

۱۔ النور:۲۴/۶۳

۲۔ الحجرات:۴۹/۲

۳۔ الاحزاب:۳۳/۵۶

قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّه فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾[۱]

ترجمہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میرے طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں وہی عقیدہ رکھنا جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہا گیا ہے۔

* یہ ایمان رکھنا یہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں رہتی دنیا تک آپ ﷺ کی نبوت ہی بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پیغام رسانی کا واحد اور مستند ذریعہ ہے۔ تمام سابقہ شریعتیں آپ ﷺ کی تابع ہیں، آسمان سے وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے، آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[۲]

ترجمہ: (لوگو) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت کو تسلیم کرنے کی بناء پر احمدی / قادیانی غیر مسلم قرار دیے گئے اور بظاہر تمام اسلامی اعمال کرتے ہوئے بھی مسلمانوں کی صف میں شامل نہیں۔

* اس بات پر ایمان رکھنا اللہ نے آپ ﷺ کو جو معجزات عطا کیے وہ برحق ہیں۔ جیسے شق القمر، اسراء ومعراج، حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا، پتھروں، درختوں کا آپ ﷺ کو سلام کرنا، سب سے بڑا معجزہ اور ابدی نشانی قرآن کریم ہے، جو قیامت تک آپ ﷺ کی صداقت نبوت پر عظیم دلیل اور مخلوق کے لیے حجت ثابت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾[۳]

۱۔ الکہف:۱۸/۱۱۰

۲۔ الاحزاب:۳۳/۴۰

۳۔ العنکبوت:۲۹/۵۱

ترجمہ: کیاان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

شیخ عبد الرحمٰن بن حماد آل عمر لکھتے ہیں کہ

علمائے سیر نے محمد ﷺ کی رسالت کی صداقت ثابت کرنے کے لیے معجزات کا شمار کیا ہے اور ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ذکر کیا ہے [۱]

عقیدہ رسالت کی حقانیت کے لیے قرآن میں جابجا براہ راست بہت سی آیات اور احادیث ملتی ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، لیکن اسی قصور کو واضح کرنے کے لیے قرآن کریم میں صرف ایک مثال ملتی ہے کہ اہل یہود ونصاریٰ جو آپ ﷺ کی نبوت کو نہیں مان رہے تھے، اللہ نے ان کے کفر وعناد کے پیش نظر ایک بہترین مثال دے کر ان کے فتنوں کا ابطال کیا ہے۔ باوجود اس کے آپ ﷺ کی شان اور نبوت کے صداقت کا ان کو علم ہے، لیکن پھر بھی حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں سامنے آنے کے بعد باوجود بھی حق کی پیروی نہیں کرتے۔

آپ ﷺ کے نبوت کی سچائی اور حقانیت پر قرآنی مثال لاجواب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَه كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ [۲]

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس مقام کو ﴿جسے قبلہ بنایا گیا ہے﴾ ایسا پہچانتے ہیں، جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، مگر ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد بیان القرآن میں اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہاں یہ نکتہ نوٹ کر لیجیے، کہ قرآن حکیم میں تورات اور انجیل کے ماننے والوں میں سے غلط کاروں کے لیے مجہول کا صیغہ آتا ہے۔"اُوْتُوا الْكِتٰبَ "اور جو ان میں سے صالحین تھے، صحیح رخ پر تھے ان کے لیے معروف کا صیغہ آتا ہے، جیسے یہاں آیا ہے۔ میں" يَعْرِفُوْنَه "ضمیر" ہ "کا مرجع قرآن بھی اور محمد رسول ﷺ بھی ہیں [۳]

اسی طرح امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

۱۔ عبد الرحمٰن بن حماد آل عمر، دین حق، وزارۃ الشؤن الاسلامک والاحقاف، والدعوۃ والارشاد، المملکۃ العربیۃ، السعودیۃ، ۱۴۲۰ھ، ۲۶/۱

۲۔ البقرۃ:۱۴۶/۲

۳۔ ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۲۰ستمبر، ۲۳۳/۱

"کہ اہل کتاب کے علماء رسول ﷺ کو اور ان کی تعلیمات کو اس طرح سے جانتے تھے۔ جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے، جب کسی بات کا مکمل یقین ہو تا تب عرب یہ مثال دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبد اللہ بن سلام سے جو یہودیوں کے زبر دست علامہ تھے پوچھا کیا تو محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے، جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ، اس لیے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا۔ اور اس نے آپ ﷺ کی صحیح تعریف بھی بتادی، یعنی حضرت جبرئیلؑ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں، پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا، ہمیں آپ ﷺ کی نبوت میں کوئی شک نہیں "(۱)

اس آیت میں آپ ﷺ کی نبوت اور تعلیمات کو پہچاننے کی مثال اپنے بیٹوں کو پہچاننے کی جیسے دی گئی ہے جو کہ علم و معرفت کی اعلیٰ ترین مثال ہے انسان ایک ہزار لوگوں میں بھی اپنے بچوں کو پہچان سکتا ہے۔ اس سے محبت کی بناء پر۔ بیٹوں کی محبت تو خاص طور پر نفس میں رکوادی گئی ہے۔ عربی زبان میں بھی ایسی مثال اس مقام یا واقعے کے لیے دی جاتی ہے۔ جو یقینی ہو، اس علم و معرفت میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ اہل کتاب کو آپ ﷺ کی سچائی کا یقین علم ہو چکا ہے لیکن وہ صرف تعصب، ضد و عناد کی بناء پر اسے تسلیم نہیں کرپارہے۔ عصر حاضر میں دعوتی اعتبار سے یہ مثال بہت فائدہ مند ہے، ایک تو مخاطب کو اپنی بات سمجھانے کے لیے حاضر چیز سے تشبیہ دے کر "خاص طور پر جس سے وہ محبت نسبت رکھتا ہو" وعوۃ کرنا۔ دوسرا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ذرا اس تشبیہ پر دھیان دیں آج ہم ایسی نادانی میں مبتلا ہیں، جس کی کوئی مثال نہیں ہم اپنے دینی معاملات میں یہود و نصاریٰ اور اشتراکی ملحدین سے ہدایت طلب کرتے ہیں۔ فتویٰ لیتے ہیں، ہم ان لوگوں سے خود اپنی تاریخ پڑھتے ہیں۔ ہم ان پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ورثہ کے بارے میں کوئی بات کریں۔ وہ ہمارے قرآن، سیرت رسول ﷺ کے بارے میں جو شکوک وشبہات پیدا کرتے اس پر اطمینان سے کان دھرتے ہیں، اپنے طلباء اسلامی تعلیمات کے لیے ان کی یونیورسٹیز میں بھیجتے ہیں۔ کہ وہ جب وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر آئیں تو ان کی عقل اور ضمیر فاسد ہو چکا ہو۔ حالانکہ یہود و نصاریٰ کی سازشیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس کے باوجود ہم ان کے تہذیب و تمدن اور تعلیمات کو اپنانا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ جو کہ سراسر ہلاکت ہے۔ قرآن اور سنت رسول ﷺ ہی وہ شریعت ہے جس میں راہِ نجات ہے۔ امت مسلمہ کو چاہیئے کہ اہل کتاب پر توجہ نہ دیں ان کی تعلیمات ورہنمائی قبول نہ کریں، بلکہ مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے طریق زندگی اور نقطہ نظر کی طرف بڑھتے چلے جائیں، مسلمان کا رخ نیکی اور خیر کی طرف ہوتا ہے۔ ڈر اور خشیت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ اور عمل کے لیے صرف سنت رسول کی اتباع کو لازم پکڑیں۔

۱۔ امام عماد الدین ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، دار الاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی، اکتوبر، ۲۰۰۸ء، ۱/۲۱۱

فصل سوم: امثال القرآن کے ذریعے ایمان، کفر و نفاق کی تفہیم

ایمان کے لغوی معنی

ایمان عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ "ا،م،ن" ہے۔ کسی خوف سے محفوظ ہو جانے، دل کے مطمئن ہو جانے اور انسان کے خیر و عافیت سے ہمکنار ہونے کو امن کہتے ہیں [۱]

گویا ایمان اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے امن، امانت اور بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔

ایمان کی ضد کفر ہے۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق ہے۔ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

الایمان هو التصدیق الذی معه امن [۲]

ایمان وہ تصدیق ہے جس کے ساتھ امن ہو۔

ایمان کا اصطلاحی معنی

شریعت اسلام کی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اللہ کی طرف سے آئے ہوئے احکام کا زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ایمان ہے۔ اس میں رحمٰن کی اطاعت سے اضافہ اور شیطان کی اطاعت سے کمی واقع ہوتی ہے [۳]

مذکورہ لغوی و اصطلاحی مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان لانے اور صاحب ایمان کو ایک ذات پر یقین کر لینے کے بعد قرار نصیب ہوتا ہے اور فکر و عقیدہ میں تزلزل سے بچ کر ایک ذات کی اطاعت پر اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

ایمان کے ارکان

ایمان کے ارکان کی وضاحت حدیث جبریلؑ سے ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

۱۔ افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت، طبع اول ۱۹۵۵ء، ۱۳/ ۲۳

۲۔ مفردات القرآن، مکتبہ نزار، مصطفی الباز، ۲۶

۳۔ ابن ابی العزیز، شرح العقیدۃ الطحاویۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۲۰۰۹ء، ۱/ ۴۰۲

"ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا جس نے انتہائی سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور جس کے بال انتہائی سیاہ تھے، اس پر نہ سفر کے آثار تھے اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ وہ نبی ﷺ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے جوڑ کر بیٹھ گیا۔ اور اپنی ہتھیلیاں آپ ﷺ کی ران پر رکھ دیں۔ اور کہا، کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور تقدیر کے اچھا یا برا ہونے پر ایمان رکھے "[۱]

ایمان کی پہچان

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ایمان کیا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں اپنی نیکی سے خوشی اور اپنی برائی بری لگے تو تم مؤمن ہو[۲]

ایمان کی شاخیں

ایمان کی بہت زیادہ شاخیں ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان جب تنہا ذکر ہوتا ہے تو پورے دین اسلام کو شامل کرلیتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایمان کی کتنی شاخیں بتائی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ایمان کی ساٹھ یا ساٹھ سے زیادہ ستر شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے۔ اور حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے[۳]

کفر کے معنی و مفہوم

عربی زبان میں لفظ کفر کے اصل معنی چھپانے اور ڈھانکنے کے ہیں۔ عربوں کے کلام میں اس مادہ سے جتنے الفاظ آئے ہیں۔ سب میں یہ معنی کسی نہ کسی شکل میں ضرور پایا جاتا ہے جیسے:

رات، وہ اپنی تاریکی سے سب چیزوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔

سمندر، وہ اپنے اندر چھوٹی بڑی چیزوں کو چھپالیتا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، ح:۹۳

۲۔ مسند احمد، ح:۲۲۱۶۶

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان، ح:۱۵۳

گھرا بادل، وہ ستاروں، چاند اور سورج کو چھپالیتا ہے۔

کسان، وہ زمین میں بیج ڈال کر اسے چھپا دیتا ہے۔

زِرّہ، فوجی کے جسم کو چھپالیتی ہے۔

بڑی وادی، اس میں پہنچ کر لوگ ایک دوسرے کی نگاہوں سے چھپ جاتے ہیں [۱]

کفر و ایمان کی ضد میں بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن میں لفظ کفر مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ناشکری کے معنی میں:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ [۲]

ترجمہ: لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر ادا کرو، کفرانِ نعمت نہ کرو۔

کسان کے لیے لفظ کفار لایا گیا ہے:

﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُه﴾ [۳]

ترجمہ: اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہو گئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات۔

کسان کو کافر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ کافر کو بھی کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حق پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو نہ ماننا، اللہ اور اس کے رسولوں کے احکامات کا انکار کرنا کفر کہلاتا ہے۔

کفر کی اقسام

کفر کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں: کفر اکبر۔ کفر اصغر

کفر اکبر: کفر اکبر سے مراد وہ کفر ہے جو مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اس کی پانچ اقسام ہیں [۴]

تکذیب: یعنی جھٹلانا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

۱۔ القاموس المحیط، فصل کاف، ص/۷۹۱

۲۔ البقرۃ:۲/۱۵۲

۳۔ الحدید:۵۷/۲۰

۴۔ مدارج السالکین، ۱/۳۳۵-۳۳۸

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَه اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے جب کہ وہ اس کے سامنے آ چکا ہو؟ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہی نہیں ہے؟۔

تکبر وانکار کا کفر تصدیق کے باجود: اس کی دلیل ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ، تو سب جھک گئے، مگر ابلیس نے انکار کیا وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔

شک وشبہ کا کفر: اسے کفر ظن یعنی گمان کا کفر بھی کہا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَه وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِه قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا. وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا-قَالَ لَه صَاحِبُه وَهُوَ يُحَاوِرُه اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا-لٰكِنَّاْ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا﴾[3]

ترجمہ: پھر وہ اپنی جنت میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا" میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے گی۔ اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی۔ تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔ اس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا" کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کر کھڑا کیا؟۔

اعراض کا کفر: حق بات سے اعراض کرنا بھی کفر اکبر میں داخل ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ﴾[4]

ترجمہ: مگر یہ کافر لوگ اس حقیقت سے منہ موڑے ہوئے ہیں جس سے ان کو خبردار کیا گیا ہے۔

۱۔ العنکبوت:۲۹/۶۸

۲۔ البقرۃ:۲/۳۴

۳۔ الکھف:۱۸/۳۵-۳۸

۴۔ الاحقاف:۴۶/۳

نفاق کا کفر: اس کی دلیل یہ ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ (۱)

ترجمہ: یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے ایمان لا کر پھر کفر کیا اس لیئے ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی، اب یہ کچھ نہیں سمجھتے۔

کفر اصغر

کفر اصغر سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے نہیں نکلتا۔ اس کفر کو عملی کفر کہا جاتا ہے جیسے کفرانِ نعمت۔ قرآن میں اس کی مثال اس طرح دی گئی ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے۔ وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا۔

کفر اکبر اور کفر اصغر کے درمیان فرق

۱۔ کفر اکبر انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے جبکہ کفر اصغر دین اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

۲۔ کفر اکبر تمام اعمال کو ضائع و برباد کر دیتا ہے جبکہ کفر اصغر تمام اعمال ضائع نہیں کرتا بلکہ اس میں کمی پیدا کرتا ہے۔

۳۔ کفر اکبر کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ جبکہ کفر اصغر کا مرتکب اگر جہنم میں چلا بھی گیا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر کے جنت میں بھیج دیں گے۔

۴۔ کفر اکبر جان و مال کو حلال کرتا ہے جبکہ کفر اصغر جان و مال کو حلال نہیں کرتا۔

۵۔ کفر اکبر کافر اور مومنوں کے درمیان عداوت و دشمنی کو واجب کر دیتا ہے۔ چنانچہ مومنوں کے لیے اس سے محبت اور دوستی رکھنا جائز نہیں خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو جبکہ کفر اصغر مطلق طور پر دوستی رکھنے سے منع نہیں کرتا بلکہ

۱۔ المنافقون:۶۳/۳

۲۔ النحل:۱۶/۱۱۲

کفر اصغر کے مرتکب سے اس قدر محبت اور دوستی رکھی جائے گی جس قدر اس میں ایمان ہو گا اس قدر دشمنی اور بغض رکھا جائے گا جس قدر اس میں نافرمانی ہو گی[۱]

ایمان و کفر کی تفہیم کے لیے قرآن مجید میں درج ذیل مثال بیان ہوئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَه نُوْرًا يَّمْشِيْ بِه فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُه فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[۲]

ترجمہ: کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح ان سے نہ نکلتا ہو؟ کافروں کے لیے تو اسی طرح ان کے اعمال خوشنما بنادیے گئے ہیں۔

اس آیت کی شرح میں امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی مثال بیان کی ہے۔ ایک وہ جو کفر و گمراہی و ضلالت کے اندھیرے میں حیران و سرگشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان و ہدایت بخشی، اتباع رسول کا چسکا دیا، قرآن جیسا نور عطا کیا جس کے منور احکام کی روشنی میں وہ اپنی زندگی گزارتا ہے، اسلام کی نورانیت اس کے دل میں رچ گئی۔ دوسرا وہ جو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے۔ ان سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نور و ظلمت کا فرق اور ایمان و کفر کا فرق واضح ہے۔ اللہ نے کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ سے تشبیہ دی ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی ایک اور آیت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾[۳]

ترجمہ: اِن دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی تو ہو اندھا بہرا اور دوسرا ہو دیکھنے اور سننے والا، کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟ کیا تم ﴿اس مثال سے﴾ کوئی سبق نہیں لیتے؟۔

اور فرمایا:

۱۔ فوزان، صالح، ڈاکٹر، کتاب التوحید، مکتبہ دار ابن الجوزی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۵

۲۔ الانعام: ۶/ ۱۲۲

۳۔ ھود: ۱۱/ ۲۴

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ- وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ- وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ-وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ - اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴾(۱)

ترجمہ: اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے۔ نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں۔ نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے۔ اور نہ زندے اور مردے مساوی ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سنوارتا ہے، مگر (اے نبی) تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔ تم تو بس ایک خبر دار کرنے والے ہو۔

اس آیت میں ظلمات اور نور کا ذکر ہے۔ تو اس کے پس منظر میں کہا جاتا ہے کہ نور سے مراد عمر بن خطاب ہیں جو پہلے گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے اسلامی زندگی بخشی اور نور عطا فرمایا، جسے لے کر وہ لوگوں میں چلتے پھرتے تھے اور زندگی کے فیصلے کرتے تھے۔ ایک رائے ہے کہ نور سے مراد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں اور ظلمات سے مراد ابو جہل ہے۔ ابو جہل عمار رضی اللہ عنہ کو سخت اذیتیں اور سزائیں دیتا تھا لیکن وہ راہ حق سے نہیں ہٹے (۲)

صحیح یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ہر مومن زندہ اور ہر کافر مردہ ہے۔ یہ معنوی حیات و ممات ہیں۔ ایسا انسان حیوان کی حیثیت سے زندہ ہے لیکن بحیثیت انسان مردہ ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا، پھر ان پر اس دن اپنے نور کو ڈالا، تو جس پر اس دن نورِ الٰہی پہنچا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا(۳)

درحقیقت زندہ انسان وہی ہے جسے حق اور باطل، نیکی اور بدی کا شعور حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی نہایت عمدہ مثال کے ذریعے تصویر کشی کی ہے جو ہدایت وضلالت کی نہایت حقیقت پسندانہ تعبیر کرتی ہے۔ اس کے اندر جو تشبیہات اور مجاز استعمال کیا گیا ہے وہ اس لیے کہ یہ تصویر پُر تاثیر بن جائے۔ ہدایت وضلالت کے حقائق اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسے ہیں جن کو دعوتی میدان میں سمجھانے کے لیے اسی قسم کی تصویر کشی اور مؤثر انداز بیان نہایت ہی ضروری ہے۔ بلاشبہ ہدایت وضلالت حقائق ہیں لیکن یہ روحانی اور نظریاتی حقیقت ہے، جنہیں تجربات اور عمل کے ذریعے ہی چکھا

۱۔ فاطر: ۳۵/۱۹-۲۳

۲۔ تفسیر ابن کثیر ۲/۱۰۰

۳۔ مسند احمد، ح/۶۶۵۲، ۲/۱۷۶۔

جاسکتا ہے۔ رہی کسی روحانی حقیقت کی تعبیر یا حسنِ تعبیر تو اس سے لطف اندوز صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے ان حقائق کو عملاً برتا ہو۔ دورِ حاضر میں جب سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، انسانی دماغ حقائق کو ظاہری اور تجربات کی روشنی میں تسلیم کرتی ہے تو حقائق کی یہ مثال مردہ دلوں کو زندہ کرتی ہے۔ اپنا نظریہ درست کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ چیزوں کی صحیح قدر و قیمت پہچان کر نئے جہان کو دریافت کرتا ہے۔ قرآن کا اسلوب بیان اس قدر پُر زور اور جامع ہے کہ ہر حقیقت کے لیے حسبِ حال الفاظ لے کر آتا ہے۔ کفر انسان کو ازلی اور ابدی حقیقت سے دور کر دیتا ہے۔ ازلی اور ابدی حقیقت کو فنا نہیں جو او جھل نہیں ہوتی۔ اس سے قطع تعلقی دراصل موت ہے۔ ایسا انسان کبھی فعال نہیں ہو سکتا، اس کی صلاحیتیں اور قوتیں مردہ ہو جاتی ہیں جو اس سے منکر ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان نام ہے اس ابدی قوت کے ساتھ اتحاد و اتصال کا۔ کفر کی حالت میں روحِ انسانی شرف اور علم سے محروم ہوتی ہے، وہ تاریکی میں گھر جاتی ہے، اس کے شعور میں تالے پڑ جاتے ہیں۔ ایمان در حقیقت ادراک کا وسیلہ ہے۔ اس سے استقامت اور نور نصیب ہوتا ہے۔ کفر سے انسان سکڑ جاتا ہے، اس کی سوچ، صلاحیتیں محدود اور تنگ ہو جاتی ہیں، بالآخر وہ پتھر بن جاتا ہے، ہر اطمینان اور سکون سے محروم۔ جبکہ ایمان شرح صدر، خوشی اور اطمینان دیتا ہے۔ کافر کی حیثیت ایک خود رَو گھاس کی مانند ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں، کوئی مضبوط وجود نہیں، خالق سے منقطع، تنہا تنہا، کائنات سے کوئی روحانی ربط نہیں، صرف مادی واسطہ جو نہایت محدود تعلق ہے۔ اس کے مقابلے میں مومن کا تعلق اللہ کے ساتھ جو حقیقت ازلی اور ابدی سے مربوط کرتا ہے۔ ایسی امت سے تعلق جس کی جڑیں اسلامی تاریخ میں دور دور تک پھیلی ہوئی، جسے یہ نور حاصل ہو جائے اس کے خیالات، شعور اور خدوخال بھی روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے حالات سے ہر حال میں مطمئن اور پر سکون رہتا ہے۔ دین اسلام سے قبل مسلمان مردہ ہی تھے۔ اسلام نے انہیں وسعت بخشی، ان کو ترقی، جستجو، حرکت اور حیاتِ جاوداں عطا کی۔ اسی ایمان کے نور کی وجہ سے جاہلیت بھرا عرب کچھ ہی عرصے میں علم کا جہاں سمجھا جانے لگا۔ ان کی وجہ سے یورپ میں علم کا رجحان آیا۔ مسلمان یورپین کو پانچ صدیوں تک علم سکھاتے رہے، علم کے میدان میں وہ رہنما تھے لیکن جب قرآن و معرفت و علم سے غفلت برتی تو اس قدر پیچھے چلے گئے کہ اب مسلمان اپنی ضروریات کے لیے یورپین کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ ہمیں امداد بھیجیں، خواہ معاشی میدان ہو یا تعلیمی، جو کہ اخلاقی، دینی اور اجتماعی نقصان کا سبب ہے حالانکہ وہ اندھیروں میں تھے لیکن مسلمان سے سیکھ کر ان کی تعلیمات اپنا کر کیسے ہر میدان میں آگے بڑھ گئے۔

ایمان کی مثال نور سے دی گئی اور کفر کی ظلمات سے، اسے ہم روزمرہ کی روشنی سے سمجھتے ہیں۔ روشنی دنیا میں موجود لطیف ترین چیز ہے اور سب سے تیز ترین مادہ ہے۔ اس کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔ خط استواء میں زمین کا قطر چالیس ہزار ہے اور جب ۳لاکھ کو چالیس پر تقسیم کریں تو یہ 7.5 ہوتا ہے۔ یعنی روشنی زمین پر ایک سیکنڈ میں 7.5 دفعہ

آنے کی استطاعت رکھتی ہے۔ ایمان کی روشنی انسانی جسم میں اس طرح منور ہوتی ہے کہ کفر کے اندھیرے ختم ہو جاتے ہیں۔ روشنی کے اثرات ہماری مادی زندگی میں اس کے علاوہ بہت سارے ہیں جیسے نقصان دہ جراثیم روشنی سے مارے جاتے ہیں۔ بہت ساری بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ اسکی برکت سے ہوا میں نمی پیدا ہوتی ہے۔ زمین روشن ہو جاتی ہے۔ بارش کا نزول روشنی کی برکت سے ہوتا ہے۔ اسلام اور ایمان میں نور کی روشنی ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ اور عرب کے جاہل اسلام سے قبل مردہ تھے۔ ایمان کے نور نے ان کے وجود اور دلوں کو زندگی بخشی۔ ان کو حق اور حقیقت کی راہ پر چلایا۔ قدرتی بات ہے کہ یہ نور جس کے پاس ہو گا وہ اس شخص سے مختلف ہو گا جو بے نور ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ فرماتے ہیں کہ کافروں کو ان کے اعمال مزین کر دیئے گئے۔ یہ اس لیے کہ ذات کی محبت، خواہشات، انا پرستی، غرور، تکبر، انسان کو برے اعمال سے غافل کر دیتے ہیں۔ ان کے برے اعمال کو حسین اور جمیل بنا کر پیش کرتے ہیں لہٰذا ایمان حیات ہے اور کفر موت ہے۔[۱]

تفہیم نفاق اور امثال

نفاق کے لغوی معنی

لغت کے اعتبار سے لفظ نفاق فعل ''نَافَقَ'' کا ایک مصدر ہے۔ نافق، یُنَافِقُ نُفَاقاً و مُنَافقۃ۔ یہ لفظ ''النافقاء'' سے ماخوذ ہے جو گوہ کے بل کے خفیہ منہ کو کہتے ہیں کیونکہ گوہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب اسے بل کے ایک منہ سے تلاش کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے منہ سے نکل جاتی ہے۔ نفق سرنگ کو بھی کہتے ہیں جس میں انسان چھپ جاتا ہے[۲]

نفاق کی اصطلاحی معنی

شرعی اصطلاح میں نفاق کے معنی ہیں: ''اسلام و خیر کا اظہار کرنا اور کفر و شرک کو اندر چھپائے رکھنا''[۳]

اسے نفاق اس لیے کہا جاتا ہے کہ منافق ایک دروازہ سے شریعت میں داخل ہوتا ہے تو دوسرے سے نکل جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے تنبیہ فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1۔ How fast does light Travel? By Nola Taylor Redd from Space.com

۲۔ مفردات القرآن، ص:/۸۱۹

۳۔ ایضاً

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [۱]

ترجمہ: بے شک منافق نافرمان ہیں۔

فاسقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دائرہ شریعت سے نکلے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے منافقوں کو کافروں سے بھی برا قرار دیاہے۔ آیت کریم ہے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [۲]

ترجمہ: یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مدد گار نہ پاؤ گے۔

نفاق کی اقسام

نفاق کی دو قسمیں ہیں: اعتقادی نفاق اور عملی نفاق [۳]

اعتقادی نفاق

یہی نفاق اکبر ہے جس میں منافق بظاہر اسلام کی نمائش کرتا ہے لیکن اپنے اندر کفر کو چھپائے رکھتا ہے۔ اس طرح کے نفاق سے آدمی نہ صرف کلی طور پر دین سے خارج ہو جاتا ہے بلکہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں بھی پہنچ جاتا ہے۔ وہ اسلام دشمنی میں ہمہ تن سرگرم رہتا ہے۔ وہ بظاہر اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں، یوم آخرت پر ایمان کا اعلان کرتا ہے لیکن اندرونی طور پر ان چیزوں سے عاری ہوتا ہے، ان سب حقائق کو جھٹلاتا ہے۔ منافقوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اہل اسلام کو بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلام کے حلیف اور مددگار بن کر نئی نئی اختراعات نکالتے ہیں جو دین کی اصل کو مسخ کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

اعتقادی نفاق کی اقسام

اعتقادی نفاق کی چھ قسمیں ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانا

۲۔ رسول ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے بعض حصے کو جھٹلانا

۱۔ التوبۃ:۹/۶۷

۲۔ النساء:۴/۱۴۵

۳۔ مدارج السالکین، ۱/۳۴۷

۳۔ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بغض رکھنا

۴۔ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی لائی شریعت سے بغض رکھنا

۵۔ رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے لائے ہوئے دین کے زوال سے خوش ہونا

۶۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے دین کے غلبہ وبالادستی سے تکلیف اور رنج و غم میں مبتلا ہونا(۱)

عملی نفاق

اسے نفاق اصغر بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد دل میں ایمان کے ساتھ ساتھ منافقوں کے اعمال میں سے کچھ کا ارتکاب کرنا۔ اس نفاق سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

چار خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ پائی جائیں وہ پکا منافق ہے۔ جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو گی اس میں نفاق کی ایک عادت ہو گی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے (۳) معاہدہ کرے تو دھوکہ دے (۴) جھگڑا کرے تو بے ہودہ گوئی کرے(۲)

منافقین کے سخت ترین انجام کے زیر نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مزید وضاحت کے ساتھ ان کی امثلہ بیان کی ہیں تاکہ انجامِ بد سے انسان خود کو بچا سکے۔ صحابہ کرام اپنے اندر نفاق کی وجہ سے اس قدر محتاط تھے کہ رازدانِ رسول (حذیفہ) سے پوچھتے تھے کہ ہم منافقین میں سے تو نہیں؟ قرآنی مثال منافقین کی درج ذیل ہے:

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَا حَوْلَه ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَ هُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ. صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ﴾(۳)

ترجمہ: ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اب نہ پلٹیں گے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو منافق گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے خرید لیتے ہیں ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اندھیرے میں آگ جلائی، اس کے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں۔

۱۔ محمد بن عبد اللہ ڈاکٹر، از نواقض الاسلام الاعتقادیۃ وضوابط التکفیر عند السلف، دار العوان، ۱۴۳۳ھ، ۲/۱۶۰

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، ح/۳۳

۳۔ البقرۃ:۱۷-۱۸

اس کی پریشانی دور ہو گئی اور فائدے کی امید بندھ گئی کہ آگ اچانک بجھ گئی اور اندھیرا چھا گیا۔ نہ نگاہ کام کرے کہ رستہ معلوم ہو سکے۔ بہرا شخص نہ بات سن سکے، گونگا کسی سے دریافت نہ کر سکے، اب بھلا راہ کیسے پائے۔ بالکل یہی حال منافقین کا ہوتا ہے، ہدایت چھوڑ کر راہ گم کر بیٹھے ہیں۔ بھلائی چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ ان کے نفاق کی وجہ سے اللہ نے نورِ ایمان ان سے لے لیا۔ اب یہ بھٹکتے پھرتے ہیں (۱)

منافق کی شخصیت دوغلی ہوتی ہے۔ ظاہر مسلمان، باطن کافر۔ ظاہر صادق اور باطن کاذب۔ ظاہر مخلص اور باطن ریاکار۔ ظاہر امین اور باطن خائن، ظاہر میں سچائی اور دوستی اور باطن میں دشمنی، ظاہر میں شعائرِ اسلام پر عمل کرتے ہیں۔ دنیاوی قلیل فائدے اٹھانے کے لیے اسلام کی آگ روشن کرتے ہیں لیکن جیسے ہی قربانی کا وقت آتا ہے تو بہانے لگا کر بھاگ جاتے ہیں۔

ان آیات کی روشنی میں ہر شخص ذاتی جائزہ لے سکتا ہے۔ اسلام کی راہ میں آنے والی آزمائشوں میں میرا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟ منافقین کے لیے یہ اندھیرے صرف قبر اور برزخ میں نہیں ہوں گے بلکہ اس کے نتائج دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرہ کبھی بھی منافقین سے خالی نہیں رہا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کرہ ارض پر زندگی کے وجود کے ساتھ ہی منافقین بھی وجود میں آ گئے تھے۔ دعوتی میدان میں یہ مثال بطور تنبیہ مخلص مسلمانوں کے لیے دی جا سکتی ہے کہ ہر دور میں ایک منافق، منظم جماعت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ان کی پردہ دری اور سازشوں کو بے نقاب کرنے کی کتنی اہمیت اور ضرورت ہے۔ مدینہ میں منافقین نے اسلام کی ایذا رسانی اور انتشار میں کس قدر کام کیا اور اہل اسلام کو نقصان پہنچایا تھا۔

منافق انسان میں دنیا کی محبت شدید ہوتی ہے۔ اس لیے وہ دنیاوی فوائد، مالِ غنیمت وغیرہ کے حصول کے لیے مسلمانوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اور کفار سے بھی رازداری رکھتے کہ ان سے بھی نقصان نہ ہو۔ شجاعت و بہادری کی شدید کمی ہوتی ہے، ہر ایک سے اتفاق رکھنے کی کوشش میں رہتے کہ ان کی اصلیت ظاہر نہ ہو سکے۔ آپ ﷺ مدینہ میں آئے تو اسلام کی آگ روشن کی، منافقین جو شرک کے اندھیروں میں تھے اس آگ سے دنیاوی فائدے اٹھانے لگے۔ ان کے نفاق کی وجہ سے وہ نور بجھ گیا۔ دنیا کے فائدے اور پریشانیاں محدود اور متناہی ہیں۔ جب کہ آخرت کے فائدے لامحدود اور لامتناہی ہیں لیکن منافقین نے اپنی ضد و عناد اور وقتی مفاد کی خاطر خسارے کا سودا کر لیا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/۸۷

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ:

منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگا اٹھتے ہیں جیسے آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن پھر کفر اس روشنی کو کھو دیتا ہے۔ جس طرح آگ کا بجھ جانا اندھیرا کر دیتا ہے[۱]

حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

موت کے وقت منافقین کی بداعمالیاں اندھیروں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں۔ کوئی بھلائی کی روشنی ان کے لیے باقی نہیں رہتی۔ جس سے ان کے توحید کی تصدیق ہو[۲]

آیت نمبر ۱۸ میں معرفت حاصل کرنے کے اللہ نے تین وسائل بیان کیے ہیں۔ کان سننے کا ذریعہ اور ہدایت سیکھنے کا وسیلہ ہیں، زبان ان علوم کو ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اور آنکھ ان علوم سے نور ہدایت کے جدید انکشافات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جو ان تین عناصر سے محروم ہو وہ کیسے حق کی راہ پا سکتا ہے اور انحراف سے بچ سکتا ہے۔ منافقین تو ان حواسِ ثلاثہ کے مالک تھے پھر اللہ نے انہیں بہرے، گونگے اور اندھے کیوں کہا؟

قرآن کی اپنی ایک خاص زبان ہے۔ اس طرح ہر ایک شے کو قرآنی لغت کے مطابق دیکھا جائے گا، کسی شے کا وجود یا عدم وجود اس کے آثار کے وجود یا عدم وجود پر موقوف ہے۔ اس طرح آنکھ کو آیات الٰہی دیکھنے اور سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کیا تو وہ اندھی ہیں۔ جو لوگ سماعت سے فائدہ اٹھا رہے لیکن نہ تو کلامِ الٰہی سنتے ہیں اور نہ مظلوم کی فریاد، قرآن کی رو سے وہ بہرے ہیں۔ زبان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے استعمال نہیں کیا تو قرآن کے مطابق وہ گونگے ہیں۔ جیسے شہداء کو قرآن نے زندہ کہا حالانکہ وہ مردہ ہیں تو منافقین معرفت کے تینوں وسائل سے محروم ہیں۔ نہ وہ ہدایت کی طرف لوٹ سکتے اور نہ توبہ کر سکتے، نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ کا قانون ہرگز یہ نہیں کہ زبردستی کسی کو ہدایت دے بلکہ جو جدھر چلتا ہے، اللہ اسے ادھر ہی چلاتا جاتا ہے۔

یہ قرآن مجید کا مخصوص اور عجیب اسلوب بیان ہے کہ نفسیاتی اور الجھی ہوئی ذہنی کیفیات کو اس طرح مخصوص انداز میں بیان کرتا ہے کہ وہ مجسم شکل میں آنکھوں کے سامنے کھڑی نظر آتی ہیں۔ قرآنی امثلہ ایسے افراد کی نفسیات،

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/۸۸

۲۔ ایضاً

ان کے مزاج کے تلون اور بے ثباتی کی نشاندہی اس قدر عمدہ انداز سے کرتی ہیں کہ ان کے خدوخال نکھر کر سامنے آجائیں اور مخلص مومن ان کے شر سے محفوظ رہیں۔

فصل چہارم: امثال القرآن کے ذریعے اُخروی زندگی کی تفہیم

آخرت کے معنی و مفہوم

آخر اول کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ اور آخر واحد کے مقابلے میں اور دار آخرۃ سے مراد ہے۔ دوسری زندگی، جیسا کہ دنیا کو پہلی زندگی سے تعبیر دی گئی ہے[1]

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَ هِیَ الْحَیَوَانُ﴾[2]

ترجمہ: اصل زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے۔

آخرۃ تاخیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی بعد میں آنے والی چیز اختتام، انجام اور آخر۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾[3]

ترجمہ: اور یقیناً تمہارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے۔

آخریت پر ایمان اسلامی عقائد کا اہم جزء ہے، دین کی اساس میں شامل ہے۔

قول باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ﴾[4]

اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد موت کے بعد کا عالم ہے۔ لفظ ''آخرۃ'' قرآن مجید میں ۱۰۴ مرتبہ آیا ہے۔ اس کی تعلیمات انبیاء کی مشترکہ تعلیمات میں سے ہے۔ ''معاد'' پر ایمان یہود و نصاریٰ بھی رکھتے ہیں۔ قرآنی آیات کا ایک تہائی حصہ آخرت سے مربوط ہے۔ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دنیا کی زندگی بالآخر ختم ہو جائے گی، یہ ایک آخری دن ہے جس کے بعد کوئی دن نہیں ہو گا۔ اللہ رب العزت مخلوق کو پھر سے اٹھائیں گے تاکہ ان کا محاسبہ

۱۔ راغب اصفہانی امام، مفردات القرآن، مکتبہ فیاض للتجارۃ والتوزیع، ۱۴۳۰ھ، ۲۰۰۹م، ص:۳۵

۲۔ العنکبوت:۲۹/۶۴

۳۔ الضحیٰ:۹۳/۴

۴۔ البقرۃ:۲/۴

ہو سکے۔ نیک لوگوں کو ہمیشہ کے لیے جنت سے نوازا جائے گا اور گناہگاروں کو ان کے عمل کے مطابق سزا دی جائے گی۔ نامہ اعمال ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔ سب کچھ ثبوت اور حجت کی بناء پر ہو گا۔ پلِ صراط قائم کیا جائے گا۔ ترازو لگے گا، نامہ اعمال اور صاحب اعمال تولے جائیں گے۔

آخرت سے مراد حسب ذیل دو امور ہیں:

ا۔ تمام کائنات فنا ہو جائے گی اور اس دنیوی زندگی کا خاتمہ ہو گا۔

۲۔ پھر ایک دوسری زندگی کی آمد آمد ہو گی اور اس کا باقاعدہ آغاز ہو گا۔

آخرت کا لفظ ہی بتاتا ہے کہ یہ دن دنیاوی زندگی کا آخری اور آنے والی زندگی کا پہلا اور آخری دن ہو گا۔ آخری اس لیے کہ ابتداء سے لے کر انتہا تک یہ کامل دن ہو گا۔ اس دن کا کوئی ثانی دن نہیں ہو گا۔ کفار و مشرکین عقیدہ آخرت کے قائل نہیں تھے۔ قرآن نے ان کے نظریے کی اصلاح کے لیے جابجا آیات اور دلائل پیش کیے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ نے حسی مثالوں کے ذریعے بھی سمجھایا تاکہ وہ حقیقت کو مان کر اپنی اصلاح کر لیں اور آخرت کی سختیوں اور سزاؤں سے بچ کر حقیقی فلاح پالیں۔ کفار و مشرکین کے اس دن سے متعلق نظریات قرآن کریم نے بیان کیے ہیں، مثلاً:

☆ یہ دنیا ازلی اور ابدی ہے۔ کوئی قیامت وغیرہ برپا نہیں ہو گی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ ان کا نظریہ نقل کرتے ہیں:

﴿وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: وہ تو ہیں ہی جھوٹے ﴿اس لیے اپنی اس خواہش کے اظہار میں بھی جھوٹ ہی سے کام لیں گے ﴾۔ آج یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور ہم مرنے کے بعد ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔

☆ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مرنا اور جینا گردش ایام کا نتیجہ ہے یعنی وہ دہریے قسم کے لوگ ہیں، قرآن مجید میں ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾[2]

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو

☆ کچھ لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ یہ نظام حادث ہے اور کسی وقت ختم ہو سکتا ہے مگر انسان سمیت جو چیز بھی فنا ہو گئی، پھر اس کا اعادہ ممکن نہیں۔ یعنی ان کے نزدیک یہ اللہ کی قدرت سے خارج ہے کہ وہ مرے ہوئے انسان کو پھر سے زندہ کر سکتا ہے۔ ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس طرح سے ذکر کرتے ہیں:

ا۔ الانعام:۶/۲۹

۲۔ الجاثیۃ:۴۵/۲۴

﴿قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾[1]

ترجمہ: کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے

☆ کچھ لوگ اعادے کو تو ممکن مانتے ہیں مگر ان کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے اچھے برے نتائج بھگتنے کے لیے بار بار اس دنیا میں جنم لیتا ہے جیسا کہ ہندوؤں کا عقیدہ تناسخ ہے۔

☆ ایسے لوگ بھی تھے جو آخرت کے قطعی منکر نہ تھے مگر انہیں شک تھا کہ وہ ہو سکتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کا ایک قول نقل کیا ہے:

﴿اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں، یقین ہم کو نہیں ہے۔

☆ اس قسم کے لوگ بھی تھے جو آخرت کی جزا و سزا مان کر بعض ایسے بزرگوں یا بتوں کو سفارشی تجویز کرتے تھے جو ان کے بقول اللہ کے ہاں اتنا زور رکھتے ہیں کہ اللہ سے ان کو بچا لیں گے لیکن اس دن کوئی اللہ کی اجاز کے بغیر سفارش بھی نہیں کر سکے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَرْضٰى﴾[3]

ترجمہ: آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں۔ ان کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اس کی اجازت نہ دے جس کے لیئے وہ کوئی عرض داشت سننا چاہے اور اس کو پسند کرے۔

الغرض یہ مختلف اقوال خود ہی اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے پاس قیامت کے متعلق کوئی علم نہیں بلکہ وہ محض گمان و قیاس کے تیر چلا رہے تھے۔ قول باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ - اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ﴾[4]

ترجمہ: قسم ہے متفرق شکلوں والے آسمان کی۔ (آخرت کے بارے میں) تمہاری بات ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

۱۔ یٰس: ۷۸/۳۶

۲۔ الجاثیۃ: ۳۲/۴۵

۳۔ النجم: ۲۶/۵۳

۴۔ الذٰریٰت: ۵۱/۷۔۸

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ - عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ - الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾(۱)

ترجمہ: یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟۔ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں۔ جس کے متعلق یہ مختلف چہ میگوئیاں کرنے میں لگے ہوئے ہیں؟۔

آخرت میں زندہ ہو کر حساب کے لیے پیش ہونے کے متعلق قرآن کریم دو طرح سے استدلال کرتا ہے۔

۱۔ جو ہستی انسانوں کو عدم سے وجود میں لاسکتی ہے۔ اس کے لیے اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾(۲)

ترجمہ: ﴿پھر بھی تم اٹھ کر رہو گے﴾۔ وہ ضرور پوچھیں گے کون ہے وہ جو ہمیں پھر زندگی کی طرف پلٹا کر لائے گا؟

جب ایک چیز تھی ہی نہیں وہ بنالی اللہ نے اور پھر اسے ختم کر دیا تو دوبارہ ہی اسے بنانا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو بنانا زیادہ آسان ہو گا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ نقشِ ثانی، نقشِ اول سے بہتر ہو۔

۲۔ دوسرا استدلال یہ ہے کہ وہ پاک ذات بے پناہ قدرت کا مالک ہے۔ اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی امرِ محال نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِ الْمَوْتٰى بَلٰٓي اِنَّه عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾(۳)

ترجمہ: اور کیا ان لوگوں کو یہ سجھائی نہیں دیتا کہ جس خدا نے یہ زمین اور آسمان پیدا کیے ہیں اور ان کو بناتے ہوئے جو نہ تھکا، وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو جلا اٹھائے؟ کیوں نہیں، یقیناً وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔

اللہ نے اپنی زبردست قوتِ تخلیقی کو بروئے کار لا کر حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور آپ کی نسل کو قطرہ منی سے پیدا فرمایا۔ یہ قوتِ تخلیق، آخرت اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

۱۔ النباء:۷۸/۱-۳

۲۔ الاسراء:۱۷/۵۱

۳۔ الاحقاف:۴۶/۳۳

مسلم متکلمین اپنی کتابوں میں آخرت کو "معاد" کے نام سے یاد کرتے ہوئے اس کے اثبات میں عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ لاکھوں انبیاء و مرسلین، حکماء و علماء اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا آخرت پر پختہ ایمان اور جو کچھ اس کے بارے میں وارد ہوا، اس پر مضبوط اعتقاد و یقین آخرت پر ایمان پر دلالت کرتا ہے۔

عقیدہ آخرت کی ضرورت و اہمیت

اسلامی تعلیمات میں عقیدہ آخرت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کا کوئی صفحہ شاید ایسا ہو جس میں کسی نہ کسی انداز میں اس عقیدہ کا ذکر نہ آیا ہو۔ یا اس عقیدے کے سمجھانے کے لیے دلیلیں نہ دی گئی ہوں، جھٹلانے والوں کے بے بنیاد عقائد اور ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ ان کے ماننے اور نہ ماننے سے زندگی کا جو رنگ ہوتا ہے، اس کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں اور صاف صاف بتایا گیا کہ اس کے بغیر اعمال بے کار ہیں۔

اس کائنات میں بے شمار لوگ ہیں جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے محنت اور کوشش کرتے ہیں۔ بلند مقاصد کے حصول کے لیے قربانیاں دیتے ہیں لیکن کچھ لوگ جہالت اور حسد کی بنا پر ان کے فضل و شرف کا اعتراف نہیں کرتے۔ ان کے اعمال حسنہ کا کوئی صلہ نہیں دیا جاتا۔ کچھ لوگوں کے کارنامے اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ نسلیں تک سنور جاتی ہیں۔ دین اسلام کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔

اور دوسری جانب کچھ لوگ ظلم و جبر کی انتہا پر ہوتے ہیں۔ چوری، ڈاکے، قتل و غارت، فساد اور بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن دنیا کی عدالتوں میں کوئی ان کا محاسبہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ ایسے میں تصور آخرت کس قدر پر سکون اور حوصلہ مند نظریہ ہے کہ ایک ایسا دن ضرور آئے گا جب کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ سب کو ایک ایک عمل کا حساب دینا ہوگا۔ نیکوکار کو ان کے اعمال کی کئی گنا بڑھا چڑھا کر جزا ملے گی اور بدکار کو سزا۔

کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ موت کی سرحد پر پہنچتے ہی ہست و بود کا یہ سارا کھیل ختم ہو جائے اور مظلوم ایسے ہی رہ جائے۔ کیا داستانِ حیات بس اسی قدر ہے کہ رحمِ مادر اگل دے اور بطنِ خاک نگل لے؟ اس کے بعد کچھ بھی نہ ہو۔ ہرگز نہیں، عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایسا عالم برپا ہونا چاہیے جہاں داعیانِ خیر و اصلاح کو مکمل جزا ملے اور مجرمین کو ان کے جرم کی پوری پوری سزا ملے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہی دوسرا عالم، عالمِ آخرت ہے۔

اس عقیدے کو ماننے سے انسان میں احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔ اپنی ہر حرکت اور عمل پر نظر رکھتا ہے کہ اسے اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ اس طرح ایک صحت مند اور پُرسکون معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے کام

کرنے والے اپنے ہر کام کے اجر کی امید صرف اللہ سے رکھتے ہیں۔ تو حقوق کی ادائیگی ہوتی ہے جس سے انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت پر ایمان ویقین نصیب فرمائے۔ آمین۔

اس عقیدے کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِه حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِه مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾[۱]

ترجمہ: اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لیے ہوئے بھیجتا ہے، پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھالیتی ہیں تو انہیں کسی مردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں مینہ برساکر ﴿اسی مری ہوئی زمین سے﴾ طرح طرح کے پھل نکال لاتا ہے۔ دیکھو، اس طرح ہم مردوں کو حالتِ موت سے نکالتے ہیں، شاید کہ تم اس مشاہدے سے سبق لو۔

اکثر دہریت پسندوں اور مشرکین مکہ کی، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے نہ جانے پر یہ دلیل ہوا کرتی کہ ہر چیز جو زمین میں چلی جاتی ہے، مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتی ہے، پھر دوبارہ ہم کس طرح اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی دلیل کا رد پیش کیا جارہا ہے۔ کہ جو چیز زمین میں چلی جائے وہ مٹی نہیں ہو جاتی بلکہ مناسب موقع اور احوال سے اس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال ایک غلے کا دانہ ہے۔ جو زمین میں دبا دیا جاتا ہے اور جب اس کی مناسب آبیاری کی جاتی ہے اور موسم موافق ہوتا ہے تو اُگ آتا ہے۔ مٹی میں مل کر مٹی نہیں ہو جاتا۔

اسی طرح اگر جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو بھی جائے تو بھی مناسب حالات ملنے پر اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو جائیں گے اور انسان کی دوبارہ زندگی کے لیے مناسب وقت نفخِ صورِ ثانی ہے۔ انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی بیج کا کام دیتی ہے جسے "عجب الذنب" کہتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا جس سے لوگوں کے جسم اس طرح زمین سے اُگ پڑیں گے جس طرح سبزی اُگتی ہے"[۲]

یہی اس آیت کی تفسیر ہے۔

۱۔ الاعراف:۷/۵۷

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب مابین نفختین، ح/۲۹۵۵

اس مثال کے ذریعے ہم قرآنی اعجاز کو سمجھ سکتے ہیں۔ دعوتی میدان میں عقیدہ آخرت کے تصور کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کس قدر بلیغ مثال پیش کی ہے۔ انتہائی پیچیدہ چیز جو کہ عقل میں سمانی مشکل ہے کہ انسان مرنے کے بعد ختم ہو جانے کے بعد کیسے زندہ ہو کر اپنے اعمال کا جوابدہ ہو سکتا ہے۔ اللہ نے حسّی مثال کے ذریعے سادہ اور عام فہم پیرایے میں سب کچھ بیان کر دیا کہ ایک عمومی ذہنی سطح کا آدمی بھی اسے پڑھ کر مطمئن ہو جاتا ہے جبکہ ایک فلسفی و حکیم انسان اس آیت کے اندر علم و معرفت کے بحر بیکراں میں موجزن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پندرہ سو سال پہلے صحرائے عرب کے بدّو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں مشکل سے نہیں گزرے کہ یہ کائنات اللہ کی تخلیق ہے، اسی کو حق ہے جیسے مرضی ہواؤں کو حکم دے وہ بادلوں کو اٹھا کر جہاں مرضی لے جائیں اور برسنے کا حکم دے دے۔ جبکہ آج کے دور میں اگر کوئی صاحبِ محقق اس آیت کو پڑھے تو وہ علمی حقائق کو منکشف کرنے کے لیے تدبر و غور کرے گا۔ جیسا کہ اللہ کا مطلوب ہے۔ اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لعلکم تذکرون، تاکہ تم نصیحت پکڑو، کہ کیسے بارش برسنے کا عمل طے پاتا ہے، کہ کیسے ہَوا اس قدر بھاری بادل اٹھا لیتی ہے جن کا وزن انسانی حساب و شمار میں آنا ممکن نہیں۔ بارانِ رحمت بے آب و گیاہ وادی میں زندگی کی نئی نوید ثابت ہوتی ہے۔

بادلوں اور ہواؤں کے مظاہر کی تفصیل کے بعد اللہ تعالیٰ ایک تشبیہ کے ذریعے سے بعثت بعد الموت کی حقیقت واضح کرتے ہیں کہ مردہ زمین کو دیکھو، اس کے اندر زندگی کے کچھ بھی آثار باقی نہ تھے، حشرات الارض اور پرندے تک وہاں نظر نہیں آتے تھے۔ اس زمین کے باسی بھی مایوس ہو چکے تھے لیکن اس مردہ زمین پر جب بارش برسی تو یکایک اس میں زندگی پھر سے عود ہو کر آئی۔ اسی طرح زمین کے اندر پڑے ہوئے مردے بھی گویا بیجوں کی مانند ہیں، جب اللہ کا حکم آئے گا تو یہ بھی نباتات کی طرح پھوٹ کر باہر نکل آئیں گے[1]

اس آیت میں شان ربوبیت کے آثار کو قلمبند کیا گیا ہے۔ کائنات میں فعالیت، اس پر کنٹرول، اس کا مدبرانہ نظام اور اللہ کی قوتوں کی تحدید و تقدیر یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی عظیم کارفرمائیوں کے مظہر ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی سرانجام نہیں دے سکتا۔ عصرِ حاضر میں مشکوک شبہات کے ازالے کے لیے بہترین مثال ہے کہ کائنات مجبورِ محض نہیں ہے، اللہ نے پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر ہر حرکت کے قوانین وضع کیے ہیں۔ ہر حرکت کی مقدار مقرر ہے۔ سب کچھ مشیت الٰہی کے مطابق ہے۔ اس کا قیم اور نگران ہر وقت موجود ہے۔ یہ کائنات خود سر یا سوتی نہیں ہے بلکہ جاگتی ہے۔ قلبِ مؤمن یہ سب دیکھتا ہے۔ اللہ کی تقدیر اور سنت کو کہ وہ اپنا کام کر رہی ہے۔ وہ ہر وقت رطب اللسان اللہ کی حمد و ثنا میں رہتا ہے۔ یہ تصور حیات مؤمن کے دل میں حیاء اور دماغ میں جوش ادراک پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک

۱۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، تفسیر بیان القرآن، ۳/۱۳۰

عظیم حقیقت ہے جو انسانی آنکھ مشاہدہ بھی کر سکتی ہے۔ بادلوں کا چلنا، زمین میں نباتات کا پھوٹنا اور اسی طرح اللہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ جس کو لوگ دیکھنے اور سمجھنے کے باجود بھی حقیقت کا سامنا نہیں کرنا چاہتے۔

اس آیت میں دو موضوعات ہیں۔ ایک زندگی کے شروع ہونے یعنی مبداء کا ذکر اور دوسرا اس میں معاد، عالم آخرت کا ذکر ہے۔ جس سے توحید پر یقین اور اللہ خالق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں تقریباً دو ہزار آیات یعنی قرآن کا ثلث معاد کے بارے میں ہے۔ اسی طرح کثیر آیات مبداء پر ہیں۔ انسان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس دنیا کی زندگی صحیح طریقے پر گزار سکے جب تک ان دو چیزوں پر پختہ اعتقاد نہ ہو۔

معاد جسمانی اور معاد روحانی

قرآن کے مطابق انسان کو دوبارہ اٹھایا جانا جسمانی بھی ہو گا اور روحانی بھی۔ یعنی کہ انسانی جسم کو بھی حشر میں اٹھایا جائے گا اور انسانی روحوں کو بھی اکٹھا کیا جائے گا، جب انسانی جسم کے ساتھ ساتھ انسانی روح نے بھی اللہ کی نعمتوں کا فائدہ اٹھایا تو عدلِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ روح اور جسم دونوں گناہ اور ثواب کا بھی مزہ پائیں۔

جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں انہوں نے معادِ جسمانی کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ وہ اسی چیز کو مانتے ہیں جس کو ان کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور اس چیز کا انکار کرتے ہیں جن کو وہ دیکھ نہیں سکتے۔ قرآن مجید میں معادِ جسمانی اور روحانی کو ثابت کرنے کے لیے بہت سی آیات مذکور ہیں۔ یہاں چند مثالیں بیان کی جارہی ہیں:

۱۔ نباتات کی مثال میں، نباتات کی موت کے بعد زندگی میں انسانی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کی تشبیہ دی گئی ہے۔

۲۔ ایک انسانی جان کی تخلیق کے مراحل کی مثال بیان کی گئی جیسے کہ اس کی زندگی ایک چھوٹے سے نطفے سے شروع ہوتی ہے اور ہر روز اس میں نشوونما ہوتی ہے۔ ان مراحل کا ہر ایک دن انسانی جان کے لیے ایک نئی زندگی شمار ہوتا ہے۔

۳۔ اصحابِ کہف کی مثال: ان کی نیند بھی موت کی طرح تھی اور کئی سو سالوں کے بعد ان کا جاگنا نئی زندگی کی طرح۔ کسی شخص کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ کئی سو سال بغیر کچھ کھائے پیے زندہ رہے اور نیند سے بیدار ہو جائے۔ جب کہ ایک عام انسان دو یا تین دن سے زیادہ کچھ کھائے پیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

انسانی تخلیق کے عجائبات میں سے ایک انسان کا دل ہے۔ جو کہ ایک دن میں ایک لاکھ مرتبہ دھڑکتا ہے۔ انسانی دل ہی اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔ اگر اصحابِ کہف کے اجسام سینکڑوں سال تک اسی غذا پر زندہ رہے جو کہ انہوں نے سونے سے پہلے کھائی تھی جو ان کے دل دن میں ایک مرتبہ سے زائد بار نہیں دھڑکے ہوں گے۔ اگر اللہ

تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ سینکڑوں سال بعد بھی اصحاب کہف کو نیند سے بیدار کر سکتے ہیں تو مردہ کو زندہ کرنا کیسے ممکن نہیں؟اصحاب کہف کے تذکرے میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾[1]

ترجمہ: تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

دورِ حاضر میں دعوت الی اللہ کے لیے یہ آیت نہایت مفید ہے۔ اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر ہر سلیم الفطرت حق و باطل کو پہچان کر اپنی اور دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ ہواؤں کا چلنا، ایک زمین سے مختلف قسم کے پھل پھول کا نکلنا، اسی طرح مردہ کو زندہ کرنا اس پر غور و فکر اور تدبر دلوں کی زندگی کی علامت ہے۔ ان کو سمجھ کر حق کی طلب رکھنے والا حق کو پہچان لے گا اور عقیدہ آخرت پر ایمان مزید پختہ ہو گا۔

۱۔ الکہف:۲۱/۱۸

باب سوم: عبادات سے متعلق امثال القرآن

فصل اول: روزہ اور امثال القرآن

فصل دوم: حج بیت اللہ اور امثال القرآن

فصل سوم: صدقہ اور امثال القرآن

فصل اول: روزہ اور امثال القرآن

صوم کا لغوی معنی

روزے کو عربی زبان میں صوم کہا جاتا ہے۔ صَامَ، یَصُوْمُ صَوْماً (ص و م) سے مصدر کا صیغہ ہے۔ صوم کا لغوی معنی کھانے، پینے، کلام کرنے، نکاح کرنے اور چلنے پھرنے سے رک جانا ہے[۱]

صَامَ اَلْفَرسُ صَوْماً کے معنی ہیں: گھوڑے نے چارہ نہیں کھایا۔ ''صائم'' عربی میں اس گھوڑے کو کہا جاتا ہے جسے اس کا مالک بھوکا پیاسا رکھ کر خوب دوڑاتا ہے تاکہ اس کے اندر قوتِ برداشت پیدا ہو۔ وہ جنگ اور مشکل اوقات میں زیادہ سے زیادہ سختی برداشت کر سکے اور دشمن کے مقابلے میں مدافعت کر سکے۔ اسی سے صائم روزہ دار ہے جو شخص کھانے، پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جائے جس کے لیے شریعت نے کچھ حدود و قیود بیان کی ہیں[۲]

اس لحاظ سے صوم میں رک جانے اور برداشت کرنے کے معانی پائے جاتے ہیں۔

روزہ کی شرعی و اصطلاحی تعریف

شرعی اصطلاح میں عبادت کی نیت سے بوقت طلوع فجر تا غروبِ آفتاب اپنے آپ کو کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات سے باز رکھنے کا نام روزہ ہے۔ اور ہر قسم کے لغویات سے محترز و مجتنب رہنا[۳]

روزے کی فرضیت

روزہ، دین اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن ہے۔ دوسرے ارکان نماز، حج، زکوٰۃ کی طرح روزہ اپنی مخصوص اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کی طرح امت محمدیہ پر بھی اپنے درج ذیل فرمان میں روزہ فرض قرار دیا ہے۔

۱۔ لسان العرب، ۱۲/ ۳۵۰

۲۔ عبد الحفیظ، ابو الفضل، مولانا، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۱۲ء، ص:۴۸۶

۳۔ مفردات فی غریب القرآن، ص:۲۹۱

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾(۱)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔

یہ آیت مبارکہ بروز سوموار شعبان المعظم سن ۲ ہجری میں نازل ہوئی۔ تحویل قبلہ کے دس روز بعد روزے فرض کیے گئے (۲)

روزے کی فرضیت پر فرمان نبوی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ۱۔ کلمہ شہادت۔ ۲۔ نماز قائم کرنا۔ ۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ۴۔ رمضان کے روزے رکھنا اور۔ ۵۔ حج کرنا(۳)

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رمضان المبارک کے روزے ہر عاقل، بالغ مرد اور عورت پر فرض ہیں۔ اس کی فرضیت کی دلیل کتاب و سنت اور اجماع امت سے مستنبط ہے۔

روزے کی فضیلت

رمضان المبارک بہت برکتوں والا مہینہ ہے۔ اس کے روزوں کی فضیلت درج ذیل ہے:

۱۔ البقرۃ: ۲/ ۱۸۳

۲۔ ابن کثیر، علامہ، البدایۃ والنہایۃ، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۵ھ، ص: ۳/ ۲۵۴۔
دیکھیے: تاریخ اسلام، محمد اکبر شاہ نجیب آبادی، مکتبہ جبرائیل، ۱/ ۱۴۶

۳۔ صحیح بخاری، باب الایمان و قول النبی ﷺ (بنی الاسلام علیٰ خمس)، ح: ۸

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزادوں گا۔ اور روزہ (آگ سے) ڈھال ہے[1]

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

آدم کے بیٹے کا نیک عمل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک آگے جتنا اللہ چاہے بڑھایا جاتا ہے لیکن روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزادوں گا[2]

روزہ داروں کے لیے جنت میں ایک خصوصی دروازہ بنایا گیا ہے جس کا نام "ریان" ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

جنت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام "ریان" ہے جس سے قیامت کے دن روزہ دار گزریں گے۔ اس کے علاوہ اس دروازے سے کوئی دوسرا نہیں گزرے گا[3]

اس کے علاوہ روزہ دار کے لیے بے شمار اجر و ثواب کتبِ احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ علمائے کرام نے کتاب الصوم کے نام پر بے شمار کتب تحریر کی ہیں۔

روزہ کی اقسام

کتب فقہ میں روزہ کی آٹھ اقسام بیان ہوئی ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ فرض معین ماہِ رمضان کے روزے

۲۔ فرضِ غیر معین ماہِ رمضان کے قضاشدہ روزے

۳۔ واجب معین کسی خاص دن یا تاریخ میں روزہ رکھنے کی منت مانیں تو اسی دن یا تاریخ میں روزہ رکھنا۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، ح:۱۸۰۵

۲۔ قزوینی، محمد بن یزید، ابوعبداللہ، امام، سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، ح:۱۶۳۸

۳۔ محمد فواد عبدالباقی، اللؤلؤ والمرجان، الجزء الاول، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۱۲ء، ح:۷۰۸

۴۔ واجب غیر معین کفارے، نذر غیر معین اور توڑے ہوئے نفلی روزوں کی قضا

۵۔ سنت محرم الحرام، عرفہ، ایام بیض کے روزے

۶۔ نفل: ماہِ شوال کے چھ روزے، ماہِ شعبان کی پندرہویں کا روزہ، سوموار اور جمعرات کا روزہ

۷۔ مکروہ تنزیہی محرم کا صرف ۱۰ تاریخ کا روزہ، صرف ہفتہ کا روزہ، اور عورت کا خاوند کی اجازت کے بنا روزہ رکھنا

۸۔ مکروہ تحریمی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو روزے، ایام تشریق کے روزے[۱]

قرآن پاک میں روزہ سے متعلق دو مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک روزے کی فرضیت سے متعلق اور دوسری روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے اوقات کو ایک خوبصورت مثال کے ذریعے سمجھایا گیا جو قرآنی اعجاز ہے۔ قرآنی امثلہ درج ذیل ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[۲]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔

سورت البقرۃ کے نصفِ آخر میں عبادات کی لڑی میں سے "صوم" کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ عربوں کے ہاں صوم یا صیام کا کیا مفہوم تھا وہ اس سے کیا مراد لیتے تھے، پہلے یہ سمجھ لیتے ہیں۔ عرب خود تو روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے گھوڑوں کو رکھواتے تھے کیونکہ ان کا پیشہ غارت گری اور لوٹ مار تھا اور مختلف قبائل کے مابین جنگیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ ان سب کے لیے انہیں گھوڑوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اونٹ تیز رفتار جانور نہیں ہے اور گھوڑے کے مقابلے میں اپنا رُخ بھی تیزی سے نہیں موڑ سکتا۔ اس لیے گھوڑا اس کام کے لیے بہترین جانور تھا۔ لیکن جہاں گھوڑا تیز رفتار جانور ہے وہاں تنک

۱۔ وھبۃ، الزحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ص: ۲/۵۷۸۔
دیکھیے: زین بن ابراہیم، البحر الرائق، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء، ص: ۲/۲۷۷

۲۔ البقرۃ: ۲/۱۸۳

مزاج اور نازک بھی ہے۔ عرب ان کی تربیت کے لیے ان کے منہ پر ایک "توبڑا" چڑھا دیتے تھے۔ اور بھوکا پیاسا رہنے کی مشقت کرواتے، اس عمل کو وہ "صوم" کہتے تھے۔ وہ یہ سب اس لیے کرتے کہ مہم کے دوران وہ جی نہ ہار جائے اور بھوک پیاس برداشت نہ کرنے کی وجہ سے سوار کی جان خطرے میں نہ پڑ جائے۔ اس کے علاوہ وہ گھوڑوں کو بادِ صرصر کے تھپیڑوں اور گرم لُو موسم گرما کی دیتے تھے تاکہ ان میں برداشت کی قوت پیدا ہو[۱]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت احسن انداز میں سابقہ امم کی مثال دے کر روزے کی فرضیت سمجھا رہے ہیں جو دعوتی اعتبار سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کاملہ میں ہے کہ فرائض اور تکلیفات پر عمل کرنے کے لیے انسان کے نفس کو بڑی قوت کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں انسان اللہ کی خصوصی امداد کا محتاج ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ان احکامات پر عمل کرنے کے لیے اس میں اسپرٹ پیدا کی جائے۔ اس کی روح ان احکامات کی طرف مائل کی جائے تاکہ وہ مطمئن ہو کر راضی وخوشی عمل کر سکے۔ حالانکہ اس پر عمل کرنے سے انسان کے ذاتی فائدے ہی ہیں۔ جیسا کہ روزہ رکھنے سے روحانی فوائد کے ساتھ آج سائنس نے بے شمار طبی فوائد بھی بتائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہایت محبت سے مؤمنین کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ ایمان والو! یہ روزے کوئی نئی چیز تو نہیں ہیں۔ یہ تو تم سے پہلے سابقہ امتوں پر بھی فرض تھے۔ وہ بھی اس فرض کی بجاآوری کرتے تھے۔ اس کا مقصد تو اہل ایمان کے دلوں کو صاف کرنا ہے۔ انہیں خوف خدا کے لیے تیار کرنا ہے۔ اللہ کی مشیت کا احساس و شعور بیدار کرنا ہے تاکہ تمہیں جو ذمہ داریاں بحیثیت امت وسط دی گئی ہیں انہیں احسن انداز سے سرانجام دے سکو۔

سابقہ امتوں میں روزے کا طریقہ

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عطاءؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کا حکم تھا۔ جو حضور ﷺ کی امت کے لیے بدلا گیا۔ ان پر رمضان کے مبارک مہینے کے روزے فرض ہوئے[۲]

۱۔ بیان القرآن، ۱/ ۲۴۵

۲۔ تفسیر القرآن العظیم، ۱/ ۲۳۴

روزے میں تبدیلیاں

جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورہ کا روزہ جو اہل کتاب رکھتے تھے، حضرت موسیٰؑ کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (۱)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔

اس میں رمضان کے روزے فرض کر دیئے گئے۔ پھر یہ ابتدائی حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھ لے، جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دیدے۔ پھر آیت نازل ہوئی:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (۲)

ترجمہ: کہ جو رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے رکھے۔

صرف بیمار اور مسافر کو رخصت دی گئی کہ وہ فدیہ دیدے اور مسافر باقی دنوں میں روزے پورے کرلے (۳)

اس ماہ میں روزے رکھنے کی ترغیب اس لیے دی گئی کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ نزولِ قرآن کا آغاز جو اس امت کے لیے دائمی کتاب ہے۔ قرآن ہی نے تو اس امت کو گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر روشنی بخشی اور عظیم الشان عروج بخشا۔

اب اہل ایمان کے لیے روزے کے ضروری احکام دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے اوقات بھی ایک خوبصورت تمثیل کے ذریعے سمجھائے۔ سورۃ البقرۃ میں صرف اسی مقام پر روزے کے تفصیلی احکام ذکر کر دیئے گئے ہیں اور پورے قرآن میں دوبارہ ان کا ذکر نہیں آتا:

۱۔ البقرۃ:۲/۱۸۳

۲۔ البقرۃ:۲/۱۸۵

۳۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/۲۳۵

﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَاۗىِٕكُمْ ۭ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِه لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾[۱]

ترجمہ: تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے در گزر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے، اسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہیِ شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آجائے۔ تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو، تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے، توقع ہے کہ وہ غلط رویے سے بچیں گے۔

آیت کے آغاز میں اہل ایمان کو اجازت دی جارہی ہے کہ وہ رمضان میں مغرب سے لے کر طلوعِ فجر تک اپنی بیویوں کے پاس جاسکتے ہیں۔ اسی طرح اس عرصہ میں وہ کھانا بھی کھا پی بھی سکتے ہیں۔ روزے کا وقت طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔ اسلام فطری دین ہے۔ وہ انسان کے فطری تقاضوں کو خوشگوار اور پاکیزگی کے لطیف پردوں میں احسن انداز سے پورا کرتا ہے۔

آیت کے دوسرے حصے میں کھانے پینے کے اوقات بھی معلوم ہوتے ہیں:

﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾[۲]

ترجمہ: کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہیِ شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آجائے۔

۱۔ البقرۃ:۲/۱۸۷

۲۔ البقرۃ:۲/۱۸۷

الخیط الابیض سے مراد صبح کی سفیدی اور الخیط الاسود سے مراد رات کی سیاہی ہے۔ یہ پُو پھٹنے کے لیے استعارہ ہے یعنی جب سپیدہ سحر نمایاں ہو جائے، یہ صبح صادق ہوتی ہے۔ اس وقت تک کھانے پینے کی چھوٹ ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، اس میں ابھی "من الفجر" کے الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس پر کچھ لوگوں نے یوں کیا کہ جب روزے کا ارادہ ہوتا تو سیاہ اور سفید دھاگے کو لے کر پاؤں میں باندھ لیتے اور جب تک یہ دونوں دھاگے پوری طرح دکھائی نہ دیتے کھانا پینا بند نہیں کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے "من الفجر" کے الفاظ نازل فرمائے اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس سے مراد رات اور دن ہیں[۱]

اسی طرح عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے سیاہ اور سفید لیے اور اپنے تکیے تلے رکھ دیئے۔ جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی کھاتا پیتا رہا، صبح ہوئی، آپ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا۔ اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے[۲]

صحابی رسول قرآنی آیت کے ان الفاظ کا مطلب نہیں سمجھ سکے بلکہ انہیں وضاحت اور عمل کے لیے آپ ﷺ کی تشریح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ قرآنی الفاظ رہتی دنیا تک اللہ تعالیٰ کا روئے زمین والوں کے لیے معجزہ ہیں۔ یہ قرآنی امثلہ اعجاز القرآن ہیں۔ ان کو سمجھنا اور تدبر کرنا عین عبادت ہے۔ دلوں اور ذہنوں کے زنگ اور تالے کھولنے کے لیے قرآن مکمل اور جامع کتاب ہے۔ آج کا زمانہ ہو یا آنے والا دور، ہر میدان میں قرآن کی دعوت اور تعلیم کی ضرورت رہے گی۔ قرآنی مثالیں چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ویسے ہی فائدہ مند ہیں جیسے نزول قرآن کے وقت تھیں کیونکہ قرآن قیامت تک کے لیے ابدی رہنمائی ہے۔

اسلام نے اپنی عبادات کے لیے اوقات کا وہ معیار مقرر کیا ہے جس سے دنیا میں ہر وقت ہر مرتبہ تمدن کے لوگ ہر جگہ اوقات کی تعیین کر سکیں۔ وہ گھڑیوں کے لحاظ سے وقت مقرر کرنے کے بجائے ان آثار سے وقت مقرر کریں جو آفاق میں نمایاں ہیں۔ نظامِ شمسی اوقات عبادات کا بہترین انتظام ہے۔ مگر نادان لوگ اس طریق توقیت پر عموماً یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قطبین کے قریب، جہاں رات اور دن کئی کئی مہینوں کے ہوتے ہیں، اوقات کی یہ تعیین کیسے ممکن ہے؟ حالانکہ یہ اعتراض دراصل علم جغرافیہ کی سرسری واقفیت کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں نہ وہاں چھ مہینوں کی رات اس معنی میں ہوتی ہے اور نہ چھ مہینوں کا دن، جس معنی میں ہم خطِ استواء کے آس پاس رہنے والے لوگ دن اور رات کے لفظ بولتے ہیں۔ خواہ رات کا دور ہو یا دن کا، صبح و شام کے آثار وہاں پوری باقاعدگی کے ساتھ افق پر نمایاں ہوتے ہیں۔ انہی کے لحاظ

۱۔ تفسیر القرآن العظیم، ۱/ ۲۴۲

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ﴾، ح/ ۱۹۱۷

سے وہاں کے لوگ ہماری طرح سونے، جاگنے، کام کرنے اور تفریح کے اوقات مقرر کرتے ہیں۔ جب گھڑیوں کا رواج نہیں تھا تب بھی فن لینڈ، ناروے اور گرین لینڈ وغیرہ ملکوں کے لوگ اپنے اوقات معلوم کرتے ہی تھے۔ ان کا ذریعہ یہی کائنات اور افق کے آثار تھے[1] اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن میں صحیح تدبر و فکر و عمل کی توفیق دے (آمین)

روزے کے طبی فوائد

روزہ بلاشبہ ایک مقدس عبادت ہے اور اس کا اجر و ثواب صرف اللہ تعالیٰ دے سکتے ہیں روزے کے روحانی فوائد کے ساتھ بے شمار طبی فائدے بھی ہیں، قرآن وحدیث کی تعلمات کو ثابت کرنے کے لیے سائنس کی ظروت نہیں ہے۔ بلکہ سائنس قرآن وسنت کی محتاج ہے، اس لیے روزے کے فوائد وحقانیت کو ثابت کرنے کے لیے چند ماہرین کی آراء پیش کی جارہی ہیں کیونکہ اب عقلی وٹیکنالوجی کا دور ہے، ماہرین کا کہنا ہے کہ روزہ انسان کی ظاہری خوبصورتی، جلد کی تازگی، بالوں حی کر ناخنوں کے لیے بے حد مفید ہے، خاص طور خواتین اپنی خوبصورتی کو لے کر بے حد حساس ہوتی ہیں۔ اور مہنگے مہنگے پراڈکٹس، لیزز سرجری کرواتی ہیں کہ وہ ترو تازہ، خوبصورت اور جوان نظر آسکیں۔

''العربیہ نیوز چینل کے پروگرام ''صباح العربیہ'' میں بات کرتے ہوئے جلدی امور، انسداد بڑھاپا اور کاسمیٹک سرجری کے ماہر ڈاکٹر سعد الصقیر نے بتایا کہ ایک ہفتے میں ۱۶ گھنٹوں کا روزہ بڑھاپے کے اثرات کم کرنے میں مدد دیتا ہے، انہوں نے اس حوالے سے سنہ ۱۹۸۰ء میں کی گئی تحقیق کا حوالہ بھی دیا جو آج ایک سند کے طور پر مانی جاتی ہے۔ ۱۲ گھنٹے کے روزے کے بعد انسانی جسم میں موجود زہریلا مواد اور دیگر فاسد مادے ختم ہو جاتے ہیں جو کینسر جیسی بیماریوں سے بچاؤ کا سبب بھی ہیں۔ روزہ امراض قلب اور شریانوں کی بیماریوں کے اگے بھی ڈھال ہے۔ روزہ جلد کی خوبصورت کو پیدا کرنے والے ہارمونز کو بڑھاتا ہے، اور انفیکشن بیکٹریا کی روک تھام کرتا ہے۔ انسانی نظام ہاضمہ کو آرام ملتا ہے۔ جس سے جگر اپنے کام میں مزید فعال ہو جاتا ہے۔ بلڈ پریشر، ڈپریشن کو کنٹرول کرتا ہے۔

جسم کی اضافی چربی کو پگھلا کر وزن کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، آنکھوں کو روشن کرتا ہے اور بصارت کو تیز کرتا ہے[۲]

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، نومبر ۱۹۸۰ء، ۱/۱۴۵-۱۴۶

۲۔ سعد الصقیر، ڈاکٹر، دبئی، العربیہ ڈاٹ نیٹ، ۶ جون ۲۰۱۶، 12:00 pm

فصل دوم: حج بیت اللہ اور امثال القرآن

حج کے لغوی معنی

حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے۔حج کے لغوی معنی ہیں: قصد کرنا، کسی جگہ ارادے سے جانا[1]

حج کے اصطلاحی معنی

جبکہ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد مقررہ دنوں میں مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا ہے[2]

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

مخصوص افعال کو ادا کرنے کے لیے کعبہ کا قصد کرنا حج کہلاتا ہے[3]

حج کی فرضیت

حج ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾[4]

ترجمہ: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

درج بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے حج کرنا لازم قرار دے دیا ہے جو صاحب استطاعت ہیں اور مالی حیثیت و استطاعت کے ساتھ بیت اللہ پہنچنے کی توفیق اور طاقت رکھتے ہیں۔

۱۔ لسان العرب، ۵۲/۳

۲۔ ایضاً

۳۔ وھبۃ، الزحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۳۴۶/۳

۴۔ آل عمران: ۹۷/۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کس چیز سے حج فرض ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سامانِ سفر اور سواری سے[۱]

صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود بھی کوئی شخص حج نہ کرے تو ایسے شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص کو فریضہ حج کی ادائیگی میں کوئی ظاہری صورت یا کوئی ظالم بادشاہ یا روکنے والی بیماری نہ روکے اور پھر بھی وہ حج نہ کرے اور مر جائے تو یہودی مرے یا نصرانی (اللہ کو اس کی کوئی فکر نہیں)[۲]

فضیلتِ حج

احادیث مبارکہ میں حج ادا کرنے کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»[۳]

حج مبرور (مقبول) کا بدلہ جنت ہی ہے۔

ایمان باللہ کے بعد حج سب سے افضل عمل ہے۔ حج کا ثواب جہاد کے برابر ہے۔ حج وعمرہ کرنے والوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

غازی فی سبیل اللہ، حاجی اور عمرہ ادا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلایا اور انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر انہوں نے اللہ سے مانگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا[۴]

۱۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، سنن ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء من الایجاب الحج بالزاد والرحلۃ، ح:۸۱۳

۲۔ سنن ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی التغلیظ فی ترک الحج، ح:۱۷۶

۳۔ صحیح بخاری، ابواب العمرۃ وباب وجوب العمرۃ وفضلھا، ح:۱۶۸۳

۴۔ سنن ابن ماجہ، فؤاد عبدالباقی اور شیخ البانی نے اس کو حسن قرار دیا ہے باب فضل دعاء الحاج، ح:۲۸۹۳

آپ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے اس گھر کا حج کیا اور جنسی باتوں میں انہماک اور نافرمانی سے اجتناب کیا وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو گیا جس دن اسے اس کی ماں نے جنم دیا[۱]

حج کی شرائط

شرائط حج درج ذیل ہیں:

مسلمان ہونا، مالدار ہونا، آزاد ہونا، عاقل و بالغ ہونا، صحت مند ہونا، راستے کا پُر امن ہونا، حکومت کی طرف سے رکاوٹ نہ ہو۔

عورتوں کے لیے مزید دو شرطیں یہ ہیں: محرم کا ساتھ ہونا۔ حالت عدت میں نہ ہونا[۲]

ارکانِ حج

حج کے ارکان مذاہب اربعہ کے نزدیک درج ذیل ہیں:

حنفیہ کے نزدیک حج کے صرف دو ارکان ہیں: وقوفِ عرفہ اور طواف زیارت۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک چار ارکان ہیں: احرام، وقوف عرفہ، سعی اور طوافِ زیارت۔

شافعیہ کے نزدیک حج کے پانچ ارکان ہیں: احرام، وقوفِ عرفہ، سعی، طواف زیارت اور حلق یا تقصیر[۳]

اقسامِ حج

حج کی تین اقسام ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ حج افراد　　۲۔ حج قران　　۳۔ حج تمتع[۴]

۱۔ صحیح مسلم، ح: ۱۳۵۰

۲۔ الزحیلی، وھبۃ، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، باب الحج، دار الفکر بیروت، لبنان، ۱۴۱۴ء، ۲/۳۵۴

۳۔ ایضاً

۴۔ فرحت ہاشمی، ڈاکٹر، حج بیت اللہ، الھدیٰ پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص: ۹

حج افراد

اس حج میں عمرہ نہیں ہوتا صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے۔

حجِ قران

اس حج میں میقات سے عمرہ اور حج دونوں کی نیت سے اکٹھا احرام باندھا جاتا ہے اور قربانی کا جانور ساتھ لے کر جانا مسنون ہے۔

حج تمتع

اس حج میں میقات سے عمرے کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور عمرہ ادا کر کے کھول دیا جاتا ہے۔ پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کی نیت سے دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے۔ حج تمتع سب سے افضل حج ہے۔

ذکر اللہ حج کے سنن اور واجبات کا لازمی حصہ ہے۔ اس کو مثال ے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح سے واضح کیا ہے:

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَه فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾[1]

ترجمہ: پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، تو جس طرح پہلے اپنے آبا واجداد کا ذکر کرتے تھے، اسی طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ﴿مگر اللہ کو یاد کرنے والے لوگوں میں بھی بہت فرق ہے﴾ ان میں سے کوئی تو ایسا ہے، جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب، ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے۔ ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اس آیت کی شرح میں امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس آیت میں حکم دے رہے ہیں کہ مناسکِ حج سے فراغت پا کر اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔ ذکر کرنے کو ایسا سمجھایا گیا جیسے بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

۱۔ البقرۃ:۲/۲۰۰

دوسرا معنی یہ ہے کہ اہل جاہلیت حج کے موقع پر جب منیٰ مزدلفہ میں ٹھہرتے تو اپنے آباء واجداد کے کارناموں اور قصوں کو بیان کرتے کہ میرا باپ بہت مہمان نواز تھا۔ کوئی کہتا کہ وہ لوگوں کے کام آتا تھا۔ سخاوت و شجاعت کی مثالیں اور کہانیاں وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی، بڑائی، عظمت اور عزتیں بیان کرو۔ اس لیے "اَوْ اَشَدَّ" پر نصب تمیز کی بناء پر لائی گئی ہے یعنی اس طرح اللہ کی یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کرتے تھے (۱)

ایک بچہ جب اپنے والدین کو اپنے پاس موجود نہیں پاتا تو کس طرح سے روتا، چلاتا اور پکارتا ہے کہ آس پاس کے لوگ بھی بے چین ہو کر اس کے ماں باپ کو ڈھونڈنے لگتے ہیں یا پھر دعا کرتے ہیں یا مختلف ذریعے اختیار کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس خوبصورت مثال سے یہی بات سمجھا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حق تو اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اسے یاد کیا جائے، فریاد کی جائے، اس سے مانگا جائے۔ اس کی تحمید و تہلیل بیان کی جائے اور مانگنا بھی ان اوقات میں جو قبولیت کا موقع ہے۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کر کے دعائیں مانگو۔

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (۲)

اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

آیت کے آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ جو لوگ صرف دنیا کے طالب ہیں اور آخرت کی طرف نظر نہیں اٹھاتے، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانے میں عرب کا معروف طریقہ حج یہ تھا کہ ۹ ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات جاتے اور رات کو وہاں سے پلٹ کر مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے مگر بعد کے زمانے میں جب رفتہ رفتہ قریش کی برہمنیت قائم ہو گئی تو انہوں نے کہا:

ہم اہل حرم ہیں۔ ہمارے مرتبے سے یہ بات فروتر ہے کہ عام اہلِ عرب کے ساتھ عرفات تک جائیں۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/۲۶۳

۲۔ الرعد: ۱۳/۲۸

چنانچہ انہوں نے اپنے لیے یہ شانِ امتیاز قائم کی کہ مزدلفہ تک جا کر ہی پلٹ آتے اور عام لوگوں کو عرفات تک جانے کے لیے چھوڑ دیتے۔ پھر یہی امتیاز بنو خزاعہ اور بنی کنانہ جیسے دوسرے قبائل کو بھی حاصل ہو گیا جن کے ساتھ قریش کے شادی بیاہ کے رشتے تھے۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو قبیلے قریش کے حلیف تھے ان کی شان بھی عام عربوں سے اونچی ہو گئی اور انہوں نے بھی عرفات جانا چھوڑ دیا۔ اسی فخر و غرور کا بت بھی اس آیت میں توڑا گیا۔ آیت کا خطاب خاص قریش اور ان کے رشتے دار اور حلیف قبائل کی طرف ہے اور خطاب عام ان سب کی طرف جو آئندہ کبھی اس قسم کے امتیازات اپنے لیے مخصوص کرنا چاہیں(۱)

یہی قرآن کا احسن انداز ہے کہ ایک مثال سے تنبیہ بھی کرتا ہے اور سمجھاتا بھی ہے کہ کیا کرنا کامیابی کا راز ہے اور کیا کرنا خسارے کا سودا۔ اس آیت میں عرب قریش کو سمجھا بھی دیا اور آنے والوں کو اس حرکت سے خبر دار بھی کر دیا۔ دعوتی میدان میں قرآنی مثالیں کسی نور سے کم نہیں۔ جاہلیت کے فخر و غرور کا خاتمہ کر کے سنت ابراہیمی کو اپنانے میں فلاح قرار دیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عرب کا قدیم دستور یہ تھا کہ حج سے فارغ ہو کر تین دن منیٰ میں قیام کرتے اور بازار لگاتے۔ وہاں میلے کا سا سماں ہوتا جہاں مختلف قبائل کے شعراء اپنے قبیلوں کی مدح سرائی کرتے اور اپنے اسلاف کی عظمتیں بیان کرتے۔ اللہ کا ذکر ختم ہو چکا تھا۔ فرمایا کہ جس شد و مد کے ساتھ تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے ہو اسی انداز سے بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ کا ذکر کرو کیونکہ اصل نجات اور فلاح اسی میں ہے(۲)

یعنی ارضِ حرم پہنچ کر بھی دورانِ حج ان کی ساری دعائیں دنیاوی چیزوں کے لیے ہی تھیں۔ مال، اولاد، دنیاوی ضروریات یعنی دنیا دل میں رچی بسی ہوئی۔ ایسے لوگوں کا اللہ نے واضح فرمادیا کہ آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ مومن کی دعا دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی اور برکت کے لیے ہوتی ہے۔

تکمیلِ نعمت کے بعد بکثرت اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ شکرانے کے طور پر صدقہ و خیرات اور دوسروں کی دعوت کا اہتمام کرنا۔

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا، تفہیم القرآن، ۱/۳۷

۲۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، ۱/۲۵۳

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے مدینہ واپس آتے تو اونٹ یا گائے ذبح کرتے (لوگوں کی دعوت فرماتے)[۱]

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نبی ﷺ کو جب کوئی خوشی کی خبر ملتی تو اللہ کے حضور سجدے میں گر پڑتے[۲]

تکمیل حج کے بعد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت اور دنیاوی معاملات کی درستگی کی دعا کرنی چاہیے۔

حضرت قاسم بن عبد الرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ:

جسے شکر گزار اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا اسے دنیا و آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا[۳]

عشرہ ذی الحجہ کے یہ دس دن صرف حاجیوں کے لیے ہی نہیں بلکہ غیر حاجیوں کے لیے بھی بہت مقدس، محترم اور عظمت والے ہیں، ان دنوں میں اعمال بطور خاص اللہ کے ہاں بڑے پسند کیے جاتے ہیں، ان ایام میں روزوں، عبادات، نوافل، ذکر، تلاوت کا اہتمام کرنا باعث اجر و ثواب ہے، یہ ایام اور گھڑیاں ایسی ہیں جنہیں اللہ نے خاص فضلیت عطا فرمائی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جن چند چیزوں کی قسم کھائی ہے، ان میں یہ دس دن بھی ہیں، جو اس کی عظمت کی دلیل ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَالْفَجْرِ- وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴾[۴]

ترجمہ: قسم ہے فجر کی۔ اور دس راتوں کی۔

۱۔ صحیح بخاری، الجہاد والسیر، باب الطعام عند القدوم، ح:۳۰۸۹

۲۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث،، ابو داؤد، امام، سنن ابی داؤد، باب سجود الشکر، ح:۲۷۷۴

۳۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۲۶۴

۴۔ الفجر:۸۹/ ۱۔۲

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ان سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں، اور یہ سال میں سب سے افضل دن ہیں (۱)

سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان دس دنوں کے اعمال اللہ کو بہت پسند ہیں، پوچھا گیا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ؟؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! یہ دن جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بہتر ہیں سوائے اس شخص کے جو اپنے مال اور جان کو لے کر نکلے اور کسی چیز کو واپس لے کر نہ آئے (۲)

یوم عرفہ عشرہ ذوالحجہ میں سب سے اہم ترین دین ہے، اس دن ہی اتمام نعمت والی آیت آپ ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے ﴿لہٰذا حرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو﴾ البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھالے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ میدان عرفات میں جمعہ کے دن کھڑے تھے (۴)

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ۴۸۱/۵

۲۔ سنن ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر، ح:۷۵۷، علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۳۔ المائدہ: ۳/۵

۴۔ صحیح مسلم، ح:۳۰۱۷

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیاد کسی دن بھی اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد نہیں کرتا اور اللہ اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے، پھر فرشتوں کے سامنے اپنے بندے پر فخر کرتا ہے[۱]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

عرفہ کے دن کے روزے کے بارے مجھے امید ہے یہ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا[۲]

یہ روزہ حاجیوں کے لئے نہیں ہے،[۳]

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

کوئی دن اللہ کے ہاں ان دس دنوں سے زیادہ عظمت والا نہیں، اور نہ ہی کسی دن کا عمل اللہ کے ہاں ان دس دنوں سے زیادہ محبوب ہے، پس تم ان دس دنوں میں کثرت سے تہلیل، تکبیر اور تحمید کہو[۴]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور ابوہرہؓ ان دس دنوں میں بازار کی طرف نکل جاتے اور تکبیرات پڑھتے۔ لوگ ان کی تکبیرات سن کر تکبیرات کہتے تھے[۵]

غرض یہ کہ ان دنوں میں ذکر و تکبیرات اور اعمال صالح حاجیوں اور غیر حاجیوں سب کے ل لیے بہت فائدہ اور باعث سعادت ہیں۔

اس مثال سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے ذکر اور دعا کے ساتھ اپنے آباء و اجداد کا تذکرہ اور دعا کرنا بھی جائز ہے۔ دین اور دنیا دونوں کی بھلائی اور عافیت مانگنا درست ہے۔ اس تمثیل میں تنقیدی پہلو ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس کام میں سے بہتر کام میں اپنے اوقات صرف کرو یعنی جس طرح تم پہلے اپنے آباء و اجداد کا تذکرہ کرتے تھے جو ایک فضول حرکت تھی، کوئی جائز یا مستحسن کام نہیں تھا، اس کو بدل دو۔ اب اللہ کو یاد کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ کو یاد کرو بالخصوص

۱۔ صحیح مسلم، ح:۱۳۴۸

۲۔ صحیح مسلم، ح:۱۱۶۲

۳۔ صحیح بخاری، ۱۶۵۸، صحیح مسلم، ۱۱۲۳

۴۔ مسند احمد، ح:۵۴۴۶، امام ابن حجر عسقلانی اسے حدیث حسن کا درجہ دیتے ہیں۔

۵۔ صحیح بخاری، باب فضل العمل فی ایام التشریق، ح:۹۶۹

موسم حج میں جب تم نے عام لباس اتار کر ایک لباس (احرام) پہنا ہوا۔ صرف اللہ کے ذکر سے انسان کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ آباء و اجداد کا تفاخر اتار پھینکو۔ اب زندگی کی جدید قدروں کا میزان و معیار تقویٰ ہے۔ خدا کا خوف اور تعلق باللہ ہے۔ اس کا ذکر اور خشیت ہے۔ عربوں کو بلند ترین انسانی مشن اسلام نے دیا اور اب رہتی دنیا تک یہی معیار اور میزان اور اقدار قائم رہیں گی۔ قرآنی تعلیمات سراسر بھلائی پر مبنی ہیں۔

فصل سوم: صدقہ اور امثال القرآن

صدقہ کا مفہوم

صدقہ خیرات کرنے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غریب لوگوں کو دیا جائے[۱]

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

صدقہ وہ مال ہے جس کا ادا کرنا واجب نہ ہو بلکہ خیرات دینے والا اس سے قربِ الٰہی کا قصد کرے[۲]

گویا صدقہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد وہ زائد مال و دولت ہے جس کو مستحقین کے درمیان اس طرح خرچ کیا جائے کہ ان کا معاشی تعطل ختم ہو۔ ان کی تخلیقی جدوجہد بحال ہو اور معاشرے کی ترقی میں مطلوبہ کردار بحسن وخوبی سرانجام دے سکیں۔

مال فی سبیل اللہ خرچ کرنا مسلمان کے فرائض میں سے ہے۔ مرنے کے بعد جو چیز سب سے زیادہ فائدہ دے گی وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

انفاق کا مفہوم

انفاق باب افعال سے مصدر ہے جس کا مطلب ہے خرچ کرنا۔ اس کا فعل ماضی (اَنْفَقَ) ہے اور فعل مضارع (یُنْفَقُ)، خرچ کرنے والے (مُنْفِقُ) کہتے ہیں۔ انفاق کے معنی مال صرف کرنے کے ہیں[۳]

عربی زبان میں نفق اس سرنگ کو کہتے ہیں جس میں داخل ہونے اور نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں۔ اس لیے منافق اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو دین اسلام میں داخل ہونے سے پہلے یہ دیکھ لیتا ہے کہ اس سے نکلنے کا راستہ کونسا ہے۔

۱۔ لسان العرب، ۱۰/ ۱۹۲

۲۔ مفردات الفاظ القرآن، ص: ۴۸۰

۳۔ ایضاً، ص: ۸۱۹

(نفق السوق) بازار گرم ہونا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں فروخت ہونے والے سامان کی مانگ پیدا ہوئی۔ یعنی ہر وقت مال آتا رہتا اور بکتا رہتا ہے[۱]

انفاق فی سبیل اللہ سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

لغوی تشریح کو سامنے رکھتے ہوئے "انفاق" کے معنی یہ متعین ہوئے کہ انسان اپنی دولت کو کھلا رکھے، ضرورت مندوں میں تقسیم کرتا رہے اور اللہ اس کو دیتا رہے۔ ایک سرے سے نکالے گا تو اللہ دوسرے سرے میں ڈالتا جائے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت

اللہ کی راہ میں مال صدقہ و خیرات کرنا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے کیونکہ مال و جان سب کچھ اسی خالق و رازق کی عطا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا کہ اس مال کو وصول کر کے کئی گنا بڑھا کر واپس کرتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں انفاق و صدقات کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

صدقہ مال میں کچھ کمی نہیں کرتا۔ بندے کے معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے۔ جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند فرماتا ہے[۲]

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں دینا انسان کے لیے ہی فائدہ مند ہے۔ صدقہ مال بڑھاتا ہے۔

حضرت میمونہ بن سعد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں صدقہ کے متعلق بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ثواب کی نیت سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے صدقہ کرتا ہے۔ اس کے لیے یہ نارِ جہنم سے رکاوٹ ہے[۳]

۱۔ شہاب، رفیع اللہ، پروفیسر، احکام القرآن، دوست ایسوسی ایشن، ۱۹۹۳، ص/۴۴

۲۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، ح/۲۵۸۸

۳۔ الطبرانی، ابوالقاسم، امام، المعجم الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ الاضافۃ، ۲۰۰۸، ح/۳۴۴۹

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

صدقہ اہل قبور سے گرمی کو ختم کرتا ہے اور مومن قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سائے تلے ہو گا[۱]

صدقہ خیرات ہر مسلمان پر لازم ہے۔ البتہ اس کی نوعیت میں فرق ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص مال و دولت ہی خرچ کرے تو وہ صدقہ و خیرات کا ثواب پا سکے۔ بلکہ صدقہ و خیرات میں بہت وسیع مفہوم پایا جاتا ہے۔ صدقہ کی فضائل میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں اس سے صرف امیر لوگ مستفید نہیں ہوسکتے کیونکہ قبر و نار سے ہر انسان خلاصی چاہتا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمانِ اقدس ہے:

ہر مسلمان پر صدقہ کرنا لازم ہے۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! جس میں استطاعت نہ ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے خود نفع حاصل کرے اور صدقہ بھی دے۔ صحابہ نے عرض کی اگر وہ یہ نہ کر سکے تو!! آپ ﷺ نے فرمایا: مظلوم حاجت مند کی مدد کرے۔ صحابہ نے عرض کی اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ نیکی کے کام کرے، برے کاموں سے رکے تو اس کے لیے یہی صدقہ ہو گا[۲]

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انفاق فی سبیل اللہ اور قرض حسنہ کی ترغیب کے لیے آیات بیان کی گئی ہیں لیکن انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ایک خوبصورت تمثیل کے ذریعے یہ بات سمجھائی ہے کہ صدقہ کرنا کس قدر ضروری اور افضل عمل ہے جس طرح ایک قطرہ خون پورے جسم میں دوڑ کر پورے اعضاء کو ترو تازہ اور برگ و بار بنا دیتا ہے۔ اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ سماج میں خوشی کی لہر دوڑا کر اس کو آسودہ حال بنا دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[۳]

۱۔ المعجم الکبیر، ح:۷۸۷

۲۔ صحیح بخاری، باب علی کل مسلم صدقۃ، ح:۱۳۷۶

۳۔ البقرۃ:۲/۲۶۱

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانا بویا جائے اور اس کے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔

اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی مثال اس قدر پاکیزگی سے بیان ہو رہی ہے جو آنکھوں میں کھب جائے اور دل میں گھر کر جائے۔ ایک دم سے یوں کہہ دینا کہ ایک کے بدلے سات سو ملیں گے۔ اس سے بہت زیادہ لطافت نہیں ملتی ہے۔ اس مثال کے ذریعے خرچ کرنے کے اجر و ثواب کو بتایا جا رہا ہے۔۔ اجر و ثواب نہ نظر آنے والی چیز ہے جس کو ایک نظر آنے والی حسی چیز سے مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے تاکہ لوگ محسوس کر سکیں کہ ایک نیکی کس طرح کئی گنا اجر لے کر آتی ہے۔ اعمال صالحہ تمہارے بوئے ہوئے بیج کی طرح بڑھتے رہتے ہیں اور انفاق کی رغبت دلانے کے لیے قرآن کی یہ بہترین مثال ہے۔

اسلامی نظام زندگی کا آغاز فرائض و واجبات سے نہیں ہوتا۔ اسلام اپنے کام کا آغاز محبت، تالیف قلب اور نیکی کی تحریک سے کرتا ہے۔ وہ انسانی شعور کو جگاتا ہے اور انسانی زندگی میں زندہ جذبات پیدا کرتا ہے۔ وہ انسان کے مطالعہ اور مشاہدہ کے لیے زندگی کی ایک ایسی تصویر پیش کرتا ہے جو پھوٹتی ہے، بڑھتی ہے اور آخر کار ایک مفید پھل دیتی ہے۔ انسان اس سے ثمرہ حاصل کرتا ہے۔ وہ انسان کے سامنے فصل کی مثال پیش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور زمین کا ایک عام عطیہ ہے۔ کھیتی ایک دانہ لیتی ہے اور سینکڑوں دانے واپس کرتی ہے۔ قرآن کریم یہ زندہ منظر لوگوں کے سامنے رکھ کر اللہ کی راہ میں اپنی کمائی خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔

تعبیر کا یہ تصوراتی انداز حساب و کتاب کے عمل پر جا پہنچتا ہے ایک دانہ بڑھ کر سات سو دانے بن جاتا ہے۔ لیکن قرآن اس مفہوم کو نہایت حسین و جمیل انداز سے پیش کرتا ہے۔ اس سے انسانی شعور میں ایک قسم کا جوش و خروش پیدا ہوتا ہے۔ انسانی ضمیر جاگ اٹھتا ہے۔ ایک زندہ اور بڑھنے والی فصل کا منظر سامنے آتا ہے۔ ایک زندہ طبیعت ظاہر ہوتی ہے۔ پیداوار دینے والا ایک ہرا بھرا کھیت نظروں کے سامنے آتا ہے۔ عام نباتات کا ایک عام اور عجیب پیش پا افتادہ تجربہ سامنے آتا ہے کہ ایک بال پر بالیں ہیں اور ہر بال پر سو دانے۔

اس طرح انسانی ضمیر میں اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے کیونکہ مال کی محبت اللہ نے نفس میں رکھ دی ہے۔ کوئی بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔

ارشادباری تعالیٰ ہے:

﴿وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾[1]

ترجمہ: اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَه حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾[2]

ترجمہ: لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس ۔۔۔ عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں ۔۔۔ بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے، وہ تو اللہ کے پاس ہے۔

قرآن کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مال کی محبت فطرت میں ہے۔ انسان کے لیے درج بالا پانچ چیزیں حب الشہوات فطری ہیں لیکن ایمان والوں کی صفت ہے کہ وہ خوشی سے فی سبیل اللہ مال خرچ بھی کرتے ہیں اور وصول بھی کرتے ہیں۔

مولانا کاندھلوی اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جائے جو کہ سات بالیں اگائے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح صدقہ دینے والا مزارع کی طرح ہے اور مال بیج اور دانہ کی طرح ہے اور سبیل اللہ زراعت والی زمین کے مثل ہے۔ جو خدا کی راہ میں خرچ کرے گا اور سات سو گنا کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاص، نیت اور مشقت کے بقدر جس کے لیے جس قدر چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا ہے۔ اس کی عطا و بخشش کی کوئی حد نہیں ہے۔ دینے سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی اور اخلاص و نیت اور اس کی مقدار و کیفیت کو بھی اللہ خوب جاننے والا ہے، اس کے مطابق اجر بڑھاتا ہے۔ پھر جس طرح پیداوار کے لیے یہ

۱۔ الفجر:۸۹/۲۰

۲۔ آل عمران:۳/۱۴

شرف ہے کہ تخم اور دانہ خراب نہ ہو اور زمین بھی تخم ریزی کے قابل ہو اور آئندہ بھی کھیتی آفتوں سے مامون رہے۔ تب پیداوار ہو گی اسی طرح صدقہ کے لیے شرط یہ ہے کہ مال حلال ہو اور جس راہ میں خرچ کیا جارہا ہے وہ بھی خیر اور نیکی کی راہ ہو۔ آئندہ چل کر وہ احسان جتلانے والا اور ایذا رسانی کی آفت سے بھی محفوظ اور مامون رہے، تب اس صدقہ کا بدلہ سات سو گنا ملے گا[۱]

اگر انفاق فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاد کے گھوڑوں کو پالنے، ہتھیار خریدنے اور دیگر معاملات میں جو رقم خرچ کی جائے گی اس کا ثواب سات سو گنا یا جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے بڑھا کر دے گا۔ اگر اس سے مراد تمام مصارفِ خیر ہیں تو یہ فضیلت نفقات و صدقات نافلہ کی ہو گی اور دیگر نیکیاں ایک نیکی کا اجر دس گنا کی ذیل میں آئیں گی۔ گویا نفقات و صدقات کا عام اجر و ثواب دیگر امورِ خیر سے زیادہ ہے[۲]

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

مال کا خرچ خواہ اپنی ضروریات کی تکمیل میں ہو، یا اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے میں یا اپنے اعزہ و اقرباء کی خبر گیری میں، یا محتاجوں کی اعانت میں، یا رفاہِ عام کے کاموں میں، یا اشاعتِ دین اور جہاد کے مقاصد میں، بہر حال اگر وہ قانونِ الٰہی کے مطابق ہو اور خالص خدا کی رضا کے لیے ہو تو اس کا شمار اللہ ہی کی راہ میں ہو گا۔ جس قدر خلوص اور جتنے گہرے جذبے کے ساتھ انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا اتنا ہی اللہ کی طرف سے اس کا اجر زیادہ ہو گا۔ اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد اللہ کی دو صفات ارشاد فرمائی گئیں۔ ایک یہ کہ وہ فراخ دست ہے اس کا ہاتھ تنگ نہیں ہے کہ تمہارا عمل فی الواقع جتنی ترقی اور جتنے اجر کا مستحق ہو وہ نہ دے سکے۔ دوسرے یہ کہ وہ علیم ہے بے خبر نہیں کہ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اور جس جذبے سے کرتے ہو اس سے وہ ناواقف رہ جائے اور تمہارا اجر مارا جائے[۳]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خرچ فی سبیل اللہ کی دو شرائط ہیں ایک اخلاص نیت کا ہونا اور دوسرا طریقہ کار سنت رسول ﷺ کے مطابق ہو۔ شریعت کی حدود میں رہ کر خرچ کیا جائے۔ بدعت، گناہ، فساد کے کاموں میں خرچ نہ کیا

۱۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، معارف القرآن، مکتبہ المعارف، دارالعلوم کراچی، ۱۴۱۹ھ، ۱/۴۰۰

۲۔ الحنفی، کمال الدین، محمد، علامہ، فتح القدیر، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء، ۱/۲۷۷

۳۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۰۱

جائے۔ بیج جتنا اچھا ہو فصل بھی اتنی اچھی تیار ہوتی ہے۔ اسی طرح اخلاص کے ساتھ جتنا اچھا مال دیا جائے گا، اجر بھی اتنا زیادہ ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص اپنی بچی ہوئی چیز فی سبیل اللہ دیتا ہے۔ اسے سات سو کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اسے دس گنا ملتا ہے اور بیمار کی عیادت کا ثواب بھی دس گنا ملتا ہے۔ روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اسے خراب نہ کرے۔ جس شخص پر کوئی جسمانی بلا، مصیبت، دکھ درد، بیماری آئے وہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتی ہے [۱]

دعوتی اعتبار سے دعوت کے میدان میں انفاق کی اہمیت اور فضیلت سمجھانے کے لیے یہ بہترین آیت ہے کہ کتنا دینا اور کیسے دینا ہے۔ بیج زمین میں جا کر چھپ جاتا ہے تو چھپا ہوا صدقہ دینا زیادہ افضل ہے۔ اس طرح سے صدقہ کرنا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ» [۲]

چھپا کر کیا ہوا صدقہ اللہ کے غضب کو ختم کر دیتا ہے۔

جس طرح بیج کی حفاظت ضروری ہے کہ پیداوار بہترین ہو اسی طرح صدقہ کے بعد ایسے اعمال سے بچنا جو اجر کو ضائع کر دیں اور لگا لگایا کھیت خراب ہو جائے۔ کھیتی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اسی طرح نیک اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دانہ جسم کی غذا ہے اور صدقہ روح کی غذا ہے۔ بیج نسل در نسل کھایا جاتا ہے اسی طرح نیک اعمال کا اجر نسلوں تک منتقل ہوتا ہے۔ نیکی نسلوں میں سفر کرتی ہے۔

عصر حاضر میں اس مثال کو ایسے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر یہ بتایا جائے کہ ایک کمپنی میں ایک ڈالر دینے سے سات سو ڈالر کا منافع ملے گا اور اعتماد والی کمپنی ہے، کسی قسم کے فراڈ یا نقصان کا اندیشہ نہیں ہے تو کیا کوئی ایسی کمپنی میں انویسٹ کرنے سے پیچھے رہے گا؟؟ ہر گز نہیں تو اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۲۳۱

۲۔ الشیبانی، محمد بن حسن، صحیح الجامع الصغیر، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ۲۰۰۹ء، ح: ۳۶۵۴

اسی طرح اگر کوئی مال خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنی صلاحیتیں دین کی راہ میں دین کی خدمت کے لیے سکھا سکتا ہے۔ کسی کو آئی ٹی کی تعلیم دے دینا یا کوئی بھی نفع مند علم دینا، یہ سب صدقہ جاریہ کے اعمال ہیں۔ انفاق کا اطلاق افراد پر بھی ہوتا ہے اور اجتماعی فائدے کے لیے بھی۔ انفاق فی سبیل اللہ کا دائرہ کار اور مفہوم وسیع ہے، چاہے مدرسہ بنانا ہو یا ہسپتال یا کسی کی ذات ضرورت پوری کرنا یا جدید ٹیکنالوجی کی ایسی ایپس بنانا جو دین کی خدمت میں استعمال ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مزید وسعت اور صلاحیت اور صحیح عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

باب چہارم: معاملات سے متعلق امثال القرآن

فصل اول: سود کا خاتمہ اور امثال القرآن

فصل دوم: ریاکاری کا خاتمہ اور امثال القرآن

فصل سوم: کفار کی فلاحی سرگرمیاں اور امثال القرآن

فصل چہارم: حق اور باطل کی کشمکش اور امثال القرآن

فصل اول: سود کا خاتمہ اور امثال القرآن

سود کے لغوی معنی

سود فارسی زبان سے مشتق مذکر لفظ ہے۔ جس کے معنی نفع بہتری، بیاج اور بڑھا دینے کے ہیں[۱]

عربی میں سود کو "ربا" کہتے ہیں۔ جس کے معنی، زیاتی، اضافہ اور بڑھوتری کے ہیں یہ لفظ قرآن میں بھی "زیاتی" کے معنوں میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ﴾[۲]

ترجمہ: اللہ صدقات کو بڑھاتا ہے۔

ایک جگہ اس کے معنی کو پھول جانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾[۳]

ترجمہ: پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی۔

﴿رَبْوَةٍ ﴾[۴] اونچی جگہ کے معنی میں آیا ہے۔

﴿رَابِيَةً﴾[۵] سیلاب پر رونما ہونے والا جھاگ۔

آئمہ لغت امام جوہری اور علامہ ابن منظور دونوں لکھتے ہیں:

رِبا: الشيئ یر بو ربوا(ربواورباء)

۱۔ فیروزالدین مولوی، فیروزاللغات، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۸۳، ص:۸۰۵

۲۔ البقرۃ:۲۷۶/۲

۳۔ الحج:۵/۲۲

۴۔ المومنون:۵۵/۲۳

۵۔ الحاقۃ:۱۰/۶۹

کوئی چیز بڑھ گئی، بڑھ رہی ہے، بڑھنے کے ساتھ یعنی زیادہ ہو گئی [۱]

سود کی اصطلاحی تعریف

شریعت کی اصطلاح میں کچھ مخصوص اشیاء میں زیاتی اور اضافہ کو سود کہتے ہیں [۲]

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"ربا رأس المال یعنی اصل سرمایہ پر جو بڑھوتری لی جاتی ہے وہ ربوٰ ہے، شریعت میں خاص قسم کی بڑھوتری پر یہ لفظ بولا جاتا ہے" [۳]

ظاہر ہے کہ ہر قسم کا نفع اور اضافہ حرام نہیں ہے، بیع مرابحہ میں بھی اصل قیمت خرید پر نفع لیا جاتا ہے جو حلال ہے، کیونکہ یہ اصل چیز کی قیمت پر اضافہ ہے۔ قرض پر اضافہ نہیں ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا» [۴]
وہ قرض جو نفع کھینچ لائے تو وہ ربا ہے۔

ربا کی تعریف مفسرین اور فقہاء کی روشنی میں

امام المفسرین محمد بن جریر طبری اپنی تفسیر جامع البیان عن تاویل ای القرآن میں لکھتے ہیں جو ام التفاسیر کہاتی ہے۔

"حرام کردہ سود سے مراد وہ اضافہ ہے جو مال کے مالک کے لیے کی جاتا ہے اس وجہ سے کہ اس نے اپنے مقروض کے لیے مدت بڑھادی، اور اپنے قرض کی وصولی مؤخر کردی [۵]

۱۔ علامہ جوہری، الصحاح، طبع بیروت، ۱۹۸۴، ۲/۲۳۴۹

۲۔ لسان العرب، ۴/۳۰۴

۳۔ مفردات القرآن، ۱/۴۰۳

۴۔ علامہ ابن قدامہ، المغنی، دار عالم الکتب، ۱۴۱۷ھ، ۶/۵۲

۵۔ سیوطی امام جلال الدین، الجامع الصغیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ۲/۹۴

امام بغویؒ فرماتے ہیں:

جاہلیت کے زمانے میں جب کسی کے مال کی ادائیگی کی میعاد آجاتی اور وہ اپنے قرض کا مطالبہ کرتا تو اس کا مقروض کہتا مدت بڑھادو تو میں تمہارے قرض میں اضافہ کردوں گا۔ چنانچہ دونوں ایسا معاملہ کرلیتے[۱]

امام جصاصؒ فرماتے ہیں:

ربا قرض کا وہ معاملہ ہے جس میں میعاد مقرر کی گئی ہو اور وہ قرض لینے والے پر قرض کی اصل رقم سے کچھ زیادہ کی شرط کے ساتھ ہو[۲]

ان تعریفات کی روشنی میں ربا کی وہی تعریف سامنے آجاتی ہے یعنی قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم بطور شرط و معاہدلی جائے ربا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں حرمت سود

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں حرمت سود پر کافی مقامات میں احکامات پائے جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی کل ۱۲ آیات میں ربا کے متعلق ذکر آیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾[۳]

ترجمہ: جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے، اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا، اور جو زکوۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔

۱۔ امام بغویؒ، تفسیر معالم التنزیل، دار طیبۃ۔ ریاض، ۱۴۰۹ھ، ۱/۳۴۱

۲۔ امام ابو بکر جصاص، احکام القرآن، دار احیاء التراث، بیروت، ۱۹۶۶، ۱/۴۲۹

۳۔ الروم: ۳۰/۳۹

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ-وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾(۱)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے

اس آیت کا نزول ۳ہجری کو ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ - فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾(۲)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو ﴿اور سود چھوڑ دو﴾ تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

یہ احکامات ۹ ہجری کو نازل ہوئے کہ اصل مال لے لو اور سود چھوڑ دو ورنہ اللہ اور اس کے رسول سے علی الاعلان جنگ ہے، مزید تفصیلات کے لیے مولانا مودودیؒ کی کتاب ''سود'' اور مولانا گوہر رحمٰنؒ کی کتاب ''حرمت سود'' کا مطالعہ سود مند رہے گا۔

حرمت سود اور احادیث نبوی ﷺ

احادیث مبارکہ کی روشنی میں بھی ربا کے خاتمے اور اس سے بچے رہنے کے متعلق بہت سی ہدایات اور احکامات ملتے ہیں، قرآن کریم کے بعد دوسرا ماخذ شریعت سنت رسول ﷺ ہے۔

۱۔ آل عمران:۳/۱۳۰

۲۔ البقرۃ:۲/۲۷۸۔۲۷۹

حضرت سلمان بن عمرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں نے رسول ﷺ کو فرماتے سنا۔

سن لو! زمانہ جاہلیت کے تمام سود کالعدم ہوگئے تم اپنے اصل زر کے حقدار ہو۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو اور نہ تم پر ظلم ہو، سن لو جاہلیت کے سب خون معاف ہیں سب سے پہلے میں حارث بن عبد المطلب کا خون معاف کرتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے تین بار لوگوں سے پوچھا کہ کیا میں نے پیغام حق پہنچا دیا سب نے گواہی دی کہ آپ ﷺ نے حق ادا کر دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اے اللہ گواہ رہنا[۱]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

رسول ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، کھانے والے، کھلانے والا، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی[۲]

سود کی خباثت کے پیش نظر اس کی کراہت کو واضح کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اسے زنا کے برابر قرار دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"سود خوری کے گناہ کے ستر حصے ہیں، ان میں سب سے معمولی ماں کے ساتھ زنا کرنا ہے"[۳]

عبد اللہ بن حنظلہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے ۳۶ بار زنا سے زیادہ گناہ رکھتا ہے[۴]

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، ح:۳۳۳۶

۲۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب لعن اکل الربوٰ، ح:۲۹۹۴

۳۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجازات، باب التغلیظ فی الربا، ح:۲۲۷۴

۴۔ ابو محمد حارث ابن محمد: مسند الحارث، کتاب بغیۃ الباحث، تحقیق دکتور حسین احمد صالح مکتبہ خدمت السنۃ سیرۃ النبویۃ مدینۃ، ۱۹۹۲، ح:۴۳۹

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات میرا گزر ایک ایسے گروہ پر ہوا جن کے پیٹ گڑھوں کی طرح تھے اور ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں (۱)

سود ایک کبیرہ گناہ ہے۔ سود کی ممانعت اور سزا وقباحت اس قدر سخت اس لیے بتائی گئی کہ یہ بہت سی سماجی، اقتصادی اور اخلاقی برائیوں کی جڑ ہے اس کی بڑی وجہ، لالچ، بے حسی، خود غرضی، دولت کی گردش کا رک جانا اور انسانی حرمت کی پامالی ہے، اسلامی اقتصادیات کے سارے مقصد اور رہنمائی کے اصول قرآن وسنت میں موجود ہیں، جن کو اپنا کر سود جیسی لعنت اور خرافات سے بچا جا سکتا ہے، اور اپنے دین ودنیا کی فلاح کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں ربا کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ ربا النسیئۃ ۲۔ ربا الفضل (۲)

امام رازی اس کی واضح تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ربا النسیئۃ زمانہ جاہلیت میں مشہور تھا۔ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ اس کے عوض مقررہ مدت میں ایک معین رقم لیا کریں گے، اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی، مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سودوں میں اضافہ کر دیتا تو وہ ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا" (۳)

اس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں۔ اسے قرآن نے حرام قرار دیا، آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

کہ ایک مخصوص مقدار پر مخصوص رقم طے کر لینا جو قرض کی ادائیگی کی مہلت ملنے پر قرض کے ساتھ اضافی ادا کرنی ہوتی ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، ح:۱۲۱۸

۲۔ سعیدی، غلام رسول، تفسیر تبیان القرآن، رومی پبلی کیشنز، لاہور، رجب ۱۴۲۶ھ، ۱/۹۷۶

۳۔ امام رازی، تفسیر کبیر، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۲/۳۵۱

ربا کی دوسری قسم یعنی ربا الفضل جسے ربا الحدیث بھی کہتے ہیں، اس سے مراد ہے کہ ایک جیسی اشیاء کا تبادلہ جن کا وزن اور مقدار برابر نہ ہو۔

حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت نہ کرو[1]

مزید اس وضاحت کے لیے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ اللہ نے فرمایا: "سونے کے بدلے سونا برابر بیچو اسی طرح چاندی کے عوض چاندی، کھجور کے بدلے کھجور، گیہوں کے بدلے گیہوں، نمک کے بدلے نمک اور جو کے عوض جو برابر فروخت کرو، جس نے زیادہ لیا یا دیا اس نے سود کا معاملہ کیا، بشرطیہ کہ ہاتھوں ہاتھ ہو"[2]

سود خور کا انجام بد احادیث میں کثرت سے بتایا گیا ہے لیکن اس کی قباحت اور نقصانات کی وجہ سے اللہ نے قرآن کریم میں بھی سود خور کے انجام بد کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَاۗءَه مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّه فَانْتَهٰى فَلَه مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: " تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی ہے "، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خوری سے باز آجائے، تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

۱۔ سنن ابن ماجہ، باب الصرف ومایجوز متقابلا ید ابید، ح:۲۲۵۶

۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب الصرف، ح:۳۳۵۱

۳۔ البقرۃ:۲/۲۷۵

سابقہ آیات میں صدقہ وخیرات کا بیان تھا۔ ان آیات میں سود کے احکامات کا ذکر ہے، جو صدقہ وخیرات کی ضد ہے، صدقہ وخیرات سے اخلاق ومروت اور مخلوق خداوندی کی نفع رسانی میں اضافہ ہوتا ہے اور سود میں سراسر بے مروتی اور ضرر رسانی ہے، صدقہ خیرات میں مظلوموں کے ساتھ صلہ رحمی، محتاجوں اور غریبوں کی مدد ہوتی ہے اور سود میں صرف ظلم وزیادتی، صدقہ وخیرات کی فضیلت کے سود کی مزمت اور مرمت کا ذکر ناگزیر ہے، اس سے صدقہ وخیرات کی اہمیت مزید راسخ ہوتی ہے کہ جتنی قباحت سود میں ہے، اس سے زیادہ بھلائی صدقات میں ہے، اس آیت کی شرح میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

کہ تخبط کا لفظ خطب اللیل سے ماخوذ ہے، جس کے معنی رات کی تاریکی میں بھٹکنے کے ہیں لخابط اللیل اس شخص کو کہیں گے جسے دائیں بائیں کا کچھ ہوش نہ ہو۔ بس یونہی ہرزہ گردی کر رہا ہو۔ اسی سے ''یخبط خبط عشواء'' کا محاورہ ان لوگوں کے لیے پیدا ہوا جو بصیرت سے بالکل محروم ہوں اور اندھے بھینسے کی طرح ادھر ادھر بھٹکے پھر رہے ہوں، اسی سے تخبطہ الشیطن نکلا جس کے معنی شیطان نے چھو کر اسے پاگل اور دیوانہ بنا دیا ''مس'' کے اصل معنی چھونے کے ہیں اس کا غالب استعمال کسی برائی، آفت اور دکھ کے پہنچنے اور لاحق ہونے کے لیے ہوتا ہے۔ یوں تو دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ کے اذن سے ہوتا ہے۔ لیکن شیطان کو جن کاموں کے لیے مہلت ملی ہوئی ہے ان کی نسبت بعض اوقات اس کی طرف کر دی جاتی ہے، جیسے حضرت ایوبؑ کی دعا میں ہے۔

﴿اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ﴾[1]

ترجمہ: جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔

نیک بندوں پر تو ارواح خبیثہ کا اثر بس اتنا ہوتا ہے کہ ان پر کوئی آزمائش یا اذیت پیش آجائے، لیکن خبیث ارواح کا قلب شیطان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی عقل وحواس پر صرف شیطان کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ ظاہر میں بھی بالکل پاگل ہو کر کپڑے پھاڑتے، گریبان چاک کرتے، منہ پر جھاگ لاتے اور پریشان حال پراگندہ بال جدھر سینگ سمائے ادھر آوارہ گردی اور خاکبازی کرتے پھرتے ہیں۔ سود خور جب قیامت کے دن اٹھیں گے تو بالکل اسی طرح جیسے جنات یا بھوت کا سایہ اس پر ہو۔ جس سے وہ بالکل مخبوط الحواس ہو رہا ہو۔ اس مثال کی زیادہ وحاحت اس لیے نہیں فرمائی کہ اس کے جمال میں ہی ساری وضاحت موجود ہے، جس طرح قرآن میں ایک جگہ ''رؤس الشیطین'' کی تشبیہ ہے، جس کے

۱۔ ص:۳۸/۴۱

الفاظ سن کر ہی دل میں کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح " تَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ" سے خودی ہی وحشت زدگی اور پریشان حالی کی ایک ایسی تصویر سامنے آجاتی ہے جو کسی وضاحت کی محتاج نہیں [1]

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

اہل عرب دیوانے آدمی کو "مجنون" کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے۔ اور جب کسی شخص سے متعلق یہ کہنا ہو تا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے تو یوں کہتے کہ اسے جن لگ گیا ہے۔

اس محاورے کو استعمال کرتے ہوئے قرآن سود خور کو اس شخص سے تشبیہ دیتا ہے جو مخبوط الحواس ہو گیا ہو، یعنی جس طرح وہ شخص عقل سے خارج ہو کر غیر معتدل حرکات کرنے لگتا ہے، اسی طرح سود خور بھی دنیا میں روپے پیسے کے پیچھے دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنی خود غرضی کے جنون میں کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی سود خوری سے کس کس طرح انسانی محبت، اخوت، ہمدردی کی جڑیں کٹ رہی ہیں۔ اجتماعی فلاح و بہبود پر کس قدر تباہ کن اثرات پڑ رہیں ہیں۔ اور کتنے لوگوں کی بدحالی سے وہ اپنی خوشحالی کا سامان کر رہا ہے، یہ اس کی دیوانگی کا حال اس دنیا میں ہے اور چونکہ آخرت میں انسان اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں اس نے دنیا میں جان دی اس لیے سود خور آدمی قیامت کے روز ایک باؤلے، مخبوط لحواس انسان کی صورت میں اٹھے گا [2]

قرآن کریم نے سود خور کی جو تصویر کھینچی ہے، جس طرح سود خور کو زندہ اور متحرک شکل میں پیش کیا ہے۔ اس جیسی تاثیر اور تشبیہ حسین سے حسین معنوی اور نظری پیرایہ اظہار میں نہیں پیدا کی جاسکتی یہ ایسی تصویر کشی ہے جس کے نتیجے میں سود خور کی تصویر الگ محسوس اور پیش یا افتادہ نظر آتی ہے۔ اس تصویر کے ذریعے معروف اور عام طور پر نہ تجربے میں آنے والے کرداروں کو ظاہر گیا گیا ہے۔ قرآن لوگوں کے اس دیکھتے ہوئے کردار کو ان کی نظروں میں تازہ کرتا ہے۔ تاکہ یہ کردار انسانی احساس میں خوف پیدا کرے۔ سرمایہ کاری کرنے والے سود خوروں کے انسانی جذبات جاگیں۔ انہیں جھنجوڑ جھنجوڑ کر ان کے مروج اور جاری سودی نظام اقتصادیات سے انہیں نکالا جائے اور انہیں لالچ اور خود غرضی کی اس فضاء سے نکالا جائے جس میں انہیں وقتی بہت سے فائدے نظر آتے ہیں۔ دعوتی اعتبار سے یہ قرآنی امثلہ کا یہ انداز تربیت بہت مفید ہے۔ یہ بیان حقیقت پسندانہ ہے۔ اور عملی زندگی سے مطابقت رکھتا ہے۔ عصر حاضر میں ہم یہ نقشہ کسی سٹاک ایکسچینج میں جاکر بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

۱۔ امین احسن اصلاحی، مولانا، تفسیر تدبر قرآن، ادارہ فاران فاؤنڈیشن، دسمبر ۲۰۰۰ء، ۶۳۰/۱

۲۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۱۳

لوگوں کی حالت دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے وہ آسیب زدہ ہیں زندگی کے ہر مؤقف میں پریشان اور مضطرب نظر آتے ہیں، ان کے اطراف واکناف میں قلق واضطراب اور خوف وخطرات کا دور دورہ ہے، لوگوں کے اعصاب شل ہو چکے ہیں اور وہ نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہیں، مغربی معاشرہ انتہائی ترقی یافتہ ہونے کے باوجود ہر وقت عالم گیر جنگوں کے خطرات سے دوچار ہے، نہ روحانی سکون نہ ہی جسمانی اور نہ جذباتی سکون سے وہ آشنا ہیں۔ خودکشی کا ratio سب سے زیادہ ان ممالک میں ہے۔ حکومتوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی اعصابی کشمکش جاری ہے۔ تمام سہولیات آسائشیں اور چیزوں کی فراوانی کی کیا قدر قیمت رہ جاتی ہے اگر ان کی وجہ سے نفس انسانی کو تسلیم ورضا اور طمانیت اور سکون حاصل نہ ہو۔ امریکہ، سوئزرلینڈ، کنیڈا کے لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سہولیات کے دریا بہنے کے باوجود وہ گہرے قلق اور پریشانی میں مبتلا ہیں، اس قلق کا کبھی بداخلاقیوں کے ذریعے ارتکاب کرکے چھپاتے ہیں اور کبھی شور شغب میں بھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اضطراب کا خلا اور گمشدگی کا بھوت بدستور ان کا پیچھا کرتا رہتا ہے اور وہ کسی وقت بھی ان کو چین نہیں لینے دیتا۔ ان کا علاج روحانی دوا کے بن ممکن نہیں اور روحانی علاج ایمان کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ اطمینان قلب صرف ذکر الہی اور حلال رزق میں ہے دوسری وجہ اہل مغرب اور سود خور انسانیت کے مقاصد سے نابلند تھی جو صرف ایمان اور حلال روزی سے وجود میں آتا ہے۔ تجارت سے انسانی کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں بروکار آتی ہیں۔ وہ اپنے مقاصد کے حصول کو پاکر دلی سکون محسوس کرتا ہے۔ اسلام نے اپنے نظام کا دارومدار وعظ ونصیحت اور اصلاح پر رکھا ہے۔ اور اسی مقصد سے اسلام قانون سازی کرتا ہے۔ جو شخص نصیحت پکڑے۔ اللہ کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے سود خوری سے باز آجائے تو اسلام اس کا اصل مال اس سے واپس نہیں لیتا اس طرح قرآن مجید اپنے اس منفرد انداز اصلاح کے ساتھ انسانی قلب وشعور کی تربیت کرتا ہے، جب باطن بدل جائے تو ظاہر بدلتے دیر نہیں لگتی۔

سودی معیشت کا معاملہ گویا شیش محل کی طرح ہے، اس میں ایک پتھر آکر لگے اور سارا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس کے برعکس صدقات کو اللہ خود پالتے اور بڑھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں کوریا اور روس کا جو حشر ہو چکا ہے اور جو ہو رہا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ شیخ محمود احمد کی کتاب "Man and Money" اس سلسلے میں مزید تفصیلات اور مطالعہ کے لیے مفید ہے۔

فصل دوم: ریاکاری کا خاتمہ اور امثال القرآن

ریاکاری کا معنی و مفہوم

"ریا" اسم مشتق ہے "رؤیۃ" سے جس کے معنی دیکھنا ہیں تو "ریاء" سے مراد ایسے کام کرنا جو لوگوں کو دکھلانے کے لیے ہوں۔ کہ لوگ اس پر اس کی تعریف کریں[۱]

مولانا مفتی محمد امجد علی لکھتے ہیں:

اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور نیت یا ارادے سے عبادت کرنا ریاکاری کہلاتا ہے۔ مثلاً لوگوں پر اپنی عبادت گزاری کی دھاک بٹھانا مقصود ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ اسے عزت دیں اور اس کی خدمت میں مال پیش کریں[۲]

ریاکاری کا متضاد "اخلاص" ہے تو لفظ اخلاص وضاحت سے ریاکاری کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسے درج ذیل میں بیان کرنا ضروری ہے۔

اخلاص کا معنی و مفہوم

خَلَّصَ یُخَلِّصُ، خلوصاً کے معنی صاف ہونے اور ملاوٹ کے زائل ہو جانے کے ہیں۔

خَلَّصَ مِنْ وَرَطئه: یعنی وہ اپنے بھنور سے محفوظ رہا اور نجات پا گیا، اطاعت میں اخلاص کے معنی ریاکاری ترک کر دینے کے ہیں[۳]

اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل سے مخلص اللہ وحدہ لاشریک کی قربت کا طالب ہو۔

۱۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، معجم الوسیط، مکتبہ المعارف ریاض، ۱۴۰۵ھ، ۱/۲۴۹

۲۔ مفردات القرآن، ۱/۴۰۳

۳۔ امجد علی، مولانا مفتی، بہار شریعت، مکتبہ المدینہ کراچی، ۲۰۰۸، ۲/۲۳۳

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

عمل کو ہر طرح کی آمیزش سے پاک صاف رکھنا اخلاص کہلاتا ہے[1]

اور فرمایا کہ

''لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کر دینا ریاکاری اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک ہے۔ اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں چیزوں سے عافیت میں رکھے''[2]

ان تعریفات سے واضح ہوا کہ اخلاص عمل کو اللہ کی طرف پھیرنے اور اس سے قربت حاصل کرنے کا نام ہے، جس میں ریاونمود، مال ودولت کی طلب اور بناوٹ نہ ہو۔ بلکہ بندہ صرف اللہ واحد کی طرف سے ثواب کی امید رکھے، اس کے عذاب سے ڈرے اور اس کی رضامندی کا حریص ہو۔

۱)ریاکاری کی اقسام

ریاکاری کامادہ انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ جس طراح شیطان انسانی رگوں میں خون کی مانند دوڑتا ہے۔ لیکن متقی نفس اس پر قابو پانے کے گر جانتا ہے، ریاکاری انسان کے تمام افعال واعمال میں شامل ہو کرا ان کو باطل واکارت بنادیتی ہے، تو اس سے بچنے کے لیے اس کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ ریاکاری کی اقسام درج ذیل ہیں۔

۲)جسمانی ریاکاری

یہ ریادیندار لوگوں میں کچھ اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دبلا پتلا اور کمزور ولاغر ظاہر کرتے ہیں، تاکہ وہ لوگوں کو دکھائیں کہ وہ کثرت عبادت اور آخرت کے غم میں کس قدر گھل گئے ہیں، قیامت کے خوف کے غلبے نے انہیں کس قدر کمزور دیا ہے۔ کبھی کبھی ریاکاری آواز کو پست کرنے، آنکھوں کی بینائی کو کمزور ظاہر کرنے اور زبان وہونٹ کو خشک کرنے سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ روزوں پر مداومت اور ہیشگی اختیار کرنے والا ہے۔

۱۔ مدراج السالکین، ۹۱/۲

۲۔ مدراج السالکین، ۹۱/۲

دنیادار لوگوں میں یہ ریا کچھ اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ وہ خود کو دوسروں کے سامنے موٹاوفربہ، صاف ستھرے چمکیلی رنگت اور اپنے قدو قامت کو اونچا ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظاہری خوبصورتی اور حسن کو نکھارنے اور سنوارنے کی فکر میں رہتے ہیں، گفتگو میں مشکل الفاظ کا استعمال یا پھر جو آج کل انگریزی بولنے کا رواج عام ہوا ہے کہ اپنی برتری ظاہر کی جاسکے۔ اور لوگ ان کی فصاحت وبلاغت کے معترف ہوجائیں، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: انہیں دیکھو تو ان کے جثے تمھیں بڑے شاندار نظر آئیں۔ بولیں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔ مگر اصل میں یہ گویا لکڑی کے کندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چن کر رکھ دیئے گئے ہوں۔ ہر زور کی آواز کو یہ اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ پکے دشمن ہیں، ان سے بچ کر رہو، اللہ کی مار ان پر، کدھر الٹے پھرے جارہے ہیں۔

حالانکہ دیکھا جائے تو حضرت عمرؓ سے زیادہ متقی کون ہوگا لیکن جب وہ چلتے تھے تو قدم جما کر، ان کی آواز رعب دار تھی۔ اور انگریزی بولنا غلط نہیں ہے، آپ ﷺ صحابہ کو مختلف زبانیں سیکھنے کی طرف راغب کرتے تھے، لیکن درست موقع پر درست طریقہ اختیار کرنا ہی حکمت ہے، لہٰذا جس جگہ پر لوگ جس زبان ولہجہ کو سمجھتے ہوں اسی طریقے سے بات کرنی چاہیئے۔

۳)لباس میں ریاکاری

دیندار طبقے میں یہ ریاکاری اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ وہ دنیا سے اپنی بے رغبتی ظاہر کرنے کے لیے اور دوسروں کو اپنا زہد وتقویٰ دکھانے کے لیے بالکل پھٹے پرانے غلیظ اور گندے کپڑے پہنتے ہیں اور بعض تو عام لوگوں سے خود کو منفرد ظاہر کرنے کے لیے ایک خاص قسم کی پگڑی یا لباس پہن کر اپنا روپ بدل لیتے ہیں۔ تاکہ لوگ انہیں علماء صلحاء میں شمار کریں۔ اور دنیادار ریاکار تو دوسری انتہاء پر ہوتے ہیں۔ ریاکاری کے نام پر انتہائی مہنگے کپڑے، فیشن کے نام پر نت نئے بے ڈھنگے لباس پہن کر اپنے گھروں کے سامان اور خوبصورت سواریوں پر ناز وفخر کرکے ریاکاری کا ارتکاب کرتے ہیں۔

۱۔ المنافقون:۶۳/۴

۴) قول میں ریاکاری

دیندار لوگوں میں یہ ریاکاری اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ نمازی لوگوں کو دکھلانے کی خاطر اپنے رکوع و سجود اور قیام کو لمبا کر دیتا ہے، اور اپنی نماز کو مزین و خوبصورت بناتا ہے، اور خشوع و خضوع کا اظہار بھی صرف اس لیے کرتا ہے کہ لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

دنیادار لوگوں کی ریاکاری تکبر، غرور اور خود پسندی کے ساتھ ہوتی ہے جب زمین پر چلتے ہیں تو اکڑ کر، اتراتے ہوئے اور اپنے کپڑوں کو سنوارتے ہوئے چلتے ہیں تاکہ ان کی مزعومہ جاہ و حشمت اور بڑائی و ناموری کا سکہ بیٹھ جائے۔

یہ ریاکاری دیندار لوگوں میں اس طرح داخل ہوتی ہے کہ کوئی شخص تکلف سے یہ خواہش و تمنا کرے کہ علمائے کرام اس کی ملاقات و زیارت کو آئیں، تاکہ کہا جائے کہ فلاں عالم نے اس کی زیارت کی ہے اور اہل علم بار بار اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور بعض اپنے شیوخ کی کثرت ظاہر کر کے ریاکاری کے مرتکب ہوتے ہیں تاکہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے کئی مشائخ سے ملاقات کی ہے اور بہت سے شیوخ نے اسے سند اجازت سے نوازا ہے۔ اور پھر وہ اپنے ان شیوخ کے ساتھ دوسرے لوگوں پر فخر کرتے ہیں، یہ مجموعہ ان چیزوں کا ہے جن کے ساتھ ریاکار لوگ ریاکاری کرتے ہیں اور جھوٹے لوگ ہی ان چیزوں میں شوق و رغبت رکھتے ہیں، اور دنیاوالوں سے کبھی جھوٹی عزت، شہرت، ناموری اور مدح و تعریف چاہتے ہیں اور کبھی دنیاوی ساز و سامان و مفاد کے متلاشی ہوتے ہیں۔

اللهم لا تزع قلوبنا بعد اذ هديتنا، ولا تجعل لحظوظ النفس، وشهواتها فی علمنا نصيباً۔

(امين يا رب العالمين)

مزید ریاکاری سے متعلق اسباب، علامات، نقصانات، اس کی ہلاکتیں اور علاج جاننے کے لیے الشیخ محمد سلیم کی کتاب ''ریاکاری کی ہلاکتیں'' اور الشیخ دعید بن علی کی کتاب ''اخلاص کے ثمرات اور ریاکاری کے نقصانات'' کا مطالعہ کریں۔

ریاکار خرچ کرنے والے کی مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چکنے پتھر سے دی ہے۔ مال کی محبت انسانی نفس میں رکھ دی گئی ہے، جب وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے کہ اجر و ثواب پا سکے۔ دنیا میں اپنی محبوب چیز سے دور ہوتا ہے۔ نفس پر جبر کر کے انفاق جیسا کام کرتا ہے لیکن اگر اس میں دکھلاوہ شامل ہو تو ایسا انفاق کیا حیثیت رکھتا ہے وہ اس مثال کے ذریعے اللہ نے اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَه رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُه کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَه وَابِلٌ فَتَرَکَه صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللهُ لَا یَھْدِي الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ﴾(۱)

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔

جس طرح نماز کے لیے دو قسم کی شرائط ہیں ایک شرائط صحت، جیسے وضو اور طہارت اور دوسری شرائط بقاء جیسے نماز میں کسی سے باتیں نہ کرنا اور کھانے پینے سے پرہیز کرنا۔ پس اگر وضو ہی نہیں کیا تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی اور اگر وضو کے بعد نماز شروع کی مگر ایک رکعت یا دو رکعتوں کے بعد کھانا پینا یا بولنا شروع کر دیا تو اسکی نماز باقی نہ رہے گی، اسی طرح صدقہ وخیرات کے لیے بھی دو قسم کی شرائط ہیں ایک شرائطِ صحت اور دوسرا شرائطِ بقاء۔

اخلاص شرائط صحت ہے۔ اخلاص کے بغیر صدقہ صحیح ہی نہیں ہوتا، لہذا جو صدقہ ریاکاری اور نفاق کے ساتھ دیا جائے وہ شریعت مطہرہ کی نظر میں معتبر نہیں ہے۔ اور "مَنّ اور اذیٰ" سے پرہیز شرائط بقاء ہے، صدقہ وخیرات اس وقت تک محفوظ اور باقی رہیں گے جب تک صدقہ دینے کے بعد نہ تو احسان جتلایا جائے اور نہ ریاکاری کے ذریعے صدقہ دیا جائے اور سائل کو اذیت یا تکلیف پہنچائی جائے۔ یہ سب کام مفسداتِ صدقہ میں سے ہیں۔ جس طرح کھانے پینے اور بولنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح احسان جتانے اور اذیت پہنچانے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

جن آیات واحادیث سے بظاہر جو معلوم ہوتا ہے کہ معاصی اور سیئات سے سابقہ حسنات اور طاعات حبط ہو جاتے ہیں ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاصی کے ارتکاب سے گزشتہ طاعات باطل ہو جاتے ہیں بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ان

۱۔ البقرۃ:۲/۲۶۴

کے انوارات وبرکات جاتے رہتے ہے جیسا کہ وہ حدیث میں ہے کہ بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نور زائل ہو جاتا ہے یہ نہیں کہا کہ زنا سے ایمان ہی خارج ہو جاتا ہے۔ چور توبہ کرلے تو نور ایمان واپس مل جاتا ہے۔ لہذا معتزلہ کا یہ عقیدہ درست نہیں کہ ہر سیئہ اور معصیت کے ارتکاب سے سابقہ طاعات بھی ضائع ہو جاتے ہیں، کہ من اور اذیٰ سے باقی اعمال صالح بھی باطل ہو جاتے ہیں[۱]

مومنین کی یہ صفت ہے کہ وہ صدقہ وخیرت اور تحفہ وتحائف دینے کے بعد نہ تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی احسان جتلاتے ہیں اور نہ ریاکاری سے اپنے اعمال ضائع کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[۲]

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال شب وروز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا"روز قیامت اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے نہ تو کلام کریں گے، نہ نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کا تزکیہ کریں گے بلکہ ان کے لیے درناک عذاب ہو گا۔

۱)المسبل: تہبند لٹکانے والا۔

۲)المنان: احسان جتلانے والا۔

۳)المنفق سلحته بالحلف الكاذب: جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا[۳]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: احسان جتلانے والا، دائمی شراب پینے والا اور والدین کا نافرمان جنت میں کبھی داخل نہیں ہو گا[۴]

۱۔ معارف القرآن،۱/۳۰۴

۲۔ البقرۃ:۲/۲۷۴

۳۔ صحیح مسلم،الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار،ح:۱۰۶

۴۔ امام نسائی،سنن،الاشربة، باب الروایة فی المدمنین فی الخمر،ح:۵۶۷۵

البقرۃ آیت نمبر ۲۶۴ کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

اس تمثیل میں بارش سے مراد خیرات ہے، چٹان سے مراد اس نیت اور جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات کی گئی۔ مٹی کی ہلکی سی تہہ سے مراد نیکی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے پیچھے نیت کی خرابی چھپی ہوتی ہے۔ اس توضیح کے بعد مثال اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ بارش کا فطری اقتضاء تو یہی ہے کہ اس سے روئیدگی ہو اور کھیتی نشو نما پائے۔ لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین محض برائے نام اوپر ہی اوپر ہو۔ اور اس اوپری تہہ کے نیچے نری پتھر کی ایک چٹان رکھی ہوئی ہو، تو بارش مفید ہونے کی بجائے الٹی مضر ہوگی۔ اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشو نما دینے کی قوت رکھتی ہے۔ مگر اس کے نافع ہونے کے لیے حقیقی نیک نیتی شرط ہے۔ نیت نیک نہ ہو تو ابر کرم کا فیضان بجز اس کے کہ محض ضیاعِ مال ہے اور کچھ نہیں۔

اس آیت کے آخر میں کافر کا لفظ ناشکرے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جو شخص اللہ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی راہ میں اس کی رضا کی خاطر خرچ کرنے کی بجائے خلق کی خوشنودی کے لیے صرف کردے وہ دراصل ناشکرا اور اپنے خدا کا احسان فراموش ہے۔ جب وہ خود ہی خدا کی رضا کا طالب نہیں تو اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ اسے اپنی رضا کا خواہ مخواہ رستہ دکھائے[1]

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ریاکار خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روز آخرت پر یقین نہیں رکھتا ورنہ روز اعمال کی جزا کے لیے وہ لوگوں کی خوشنودی یا دکھاوے کی طلب نہ رکھتا۔ ریاء اور دکھاوا ایسے عمل ہیں جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی وہ ہر وقت حقیقت کو چھپانے اور وہ ظاہر کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں جو دراصل حقیقیت ہی نہیں۔ کیونکہ ان کا عمل علم اور معرفت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ظاہری نظر کی طرف تھا کہ بارش نعمت ہوتی ہے۔ جس سے فصل کو تقویت ملتی ہے، لیکن بارش ریاکار کی فصل کو تباہ بھی کرتی ہے، وحی بھی بارش کی طرح ہیں جو ریاکار کے دل کو ظاہر کردیتی ہے۔ فلسفی سوچ رکھنے والے عصر حاضر کے مادہ پرست لوگوں کے مطابق مال ایک قیمتی چیز ہے۔ بلکہ اسلام میں ایمان، قربانی اور اخلاص کو اہمیت حاصل ہے۔

۱۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۰۴

حضرت جندبؓ سے روایت ہے:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص شہرت طلبی کے لیے کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے عمل کو شہرت طلبی کے لیے قرار دیتا ہے، اور جو ریاکاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام ریاکاری قرار دیتا ہے[1] (قیامت کے روز اس کے بدلہ میں ذلت آشکار کرے گا) ریاری کو آپ ﷺ نے شرک اصغر قرار دیا، ہر گنا معاف ہو سکتا ہے لیکن شرک نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول ﷺ وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ''ریاکاری''[2]

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن سب سے پہلے شہید، قاری عالم اور سخی کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈالا جائے گا۔ کیونکہ وہ بہادری سے لڑا کہ لوگ اسے بہادر کہیں، قاری نے علم سکھا اور سکھایا کہ لوگ اسے عالم کہیں اور سخی نے اس لیے سخاوت کی کہ لوگ اس کی تعریف کریں لہذا دنیا میں انہیں بہادر، عالم اور سخی کہہ دیا گیا۔ روز قیامت ان کو منہ کے بل گھسیت کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا[3]

امام بغویؒ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مزید یہ نقل کیا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کے زانوں پر ہاتھ مار کر فرمایا ابوہریرہ: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ہی تینوں ایسے ہوں گے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آتش دوزخ پر بھڑکے گی[4]

صدقہ وخیرات کی کیا اہمیت ہے اور کیوں انفاق فی سبیل اللہ ضروری ہے اس کی مکمل وضاحت باب سوم کی فصل سوم ''صدقہ اور امثال القرآن'' میں گزر چکی ہے۔ نیز یہ کہ کھیتی کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے اسی طرح اللہ نے صدقہ کو

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب تحدید الریاء، ح:۲۹۸۶

۲۔ مسند احمد، ح:۲۳۶۳۰، حدیث محمود بن لبید، اس حدیث کو شعیب الارنورط وغیرہ، نے منقطع قرار دیا ہے، محقق لکھتے ہیں یہ حدیث حسن ہیں رجال صحیح ہیں لیکن منقطع ہیں

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل الریاءوالسمعۃ، ح:۱۹۰۵

۴۔ پانی پتی، قاضی ثناءاللہ، تفسیر مظہری، ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲، ۲۰۰۵، ۴۰/۲

کھیتی سے مشابہت دے کر کن اعمال سے بچنے کی تلقین کی ہے، جس میں ایک ریاکاری سے بچنا بھی ہے تاکہ وہ صدقہ اللہ کے ہاں مقبول ہو کر آخرت میں ہمارے لیے جزاء کا باعث بنے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

ریاکار کی تمثیل اس کسان سے دی گئی ہے جس نے اپنی فصل ایک ایسی زمین پر بوئی جس کے نیچے سخت اور چکنی چٹان تھی۔ بارش کا جو ایک روز کا دو تنگڑا پڑا تو اوپر کی ساری مٹی فصل سمیت وادی میں بہہ گئی اور نیچے سے گنجے سر کی مانند چٹان نکل آئی فرمایا جس طرح اس محروم القسمت کسان کی سری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔ اسی طرح اس خیرات کرنے والے کی خیرات برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔ جو خیرات کرنے کے بعد احسان جتلاتا ہے اور ریاکاری کرتا ہے اور دل آزادی کرتا ہے، ایسے لوگ اپنی سب خیر خیرات ضائع کر بیٹھتے ہیں، کافر اور ناشکرے وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں بامراد نہ وہوگے بلکہ ان کے سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا(۱)

اگلی فصل میں کفار کے خرچ کرنے کی مثال اور انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

ہم اس مثال کو پہاڑی علاقوں کی زراعت سے سمجھ سکتے ہیں۔ دور حاضر میں پہاڑوں پر جب بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی بڑی چٹان پر ادھر ادھر سے مٹی آکر جم جاتی ہے، جس سے ایک موڑی تہہ بن جاتی ہے۔ کسان بعض اوقات اس زرخیز پا کر اس پر کھیتی شروع کر دیتے ہیں، اس قسم کی زمینوں کو کبھی کبھی پر خطرناک صورت پیش آتی ہے کہ پہاڑ کے بالائی حصے میں زور کی بارش ہوئی۔ اور اس کا ریال جو آیا تو اس نے ساری مٹی والی سطح وادی کی طرف پھسلا دی جس سے نیچے صرف وہی چٹان رہ گئی، اس قسم کے حوادث کو "Land sliding" کہتے ہیں۔

تو جو لوگ ریاکاری کے لیے انفاق کرتے ہیں، بڑے بڑے خیراتی ادارے قائم کرتے ہیں، لوگوں کی رفاہ کے کام کہ ان کی روح سرائی ہو۔ اپنی ناموری اور ٹیکس بچانے کی خاطر تو انکے یہ اعمال سب ضائع جائیں گے۔ آخرت میں کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔ اس آیت اور مثال کے ذریعے اللہ ان کی غایت کی درجہ سنگینی واضح کر رہے ہیں کہ آدمی کے انفاق کو برباد کر دینے کے معاملے میں یہ باتیں بالکل کف کے برابر ہیں۔ دعوتی میدان میں ریاکاری کی سنگینی کو سمجھانے کے لیے اس سے زیادہ آسان اور مؤثر ترین مثال کیا ہو سکتی ہے ؟؟ جو راہ حق کا متلاشی ہو گا اس کے دل اس مثال سے ضرور

ا۔ تدبر قرآن، ۱/۶۱۶

روشن ہو جائیں گے۔ اللہ نے ریاکاری والے دل کی مثال چٹان اور مٹی کی جمی تہہ سے دی ہے، جس میں کوئی نرمی اور تروتازگی نہیں۔

جس کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں جبکہ مومن کو ہر کام آخرت کی بھلائی کو مد نظر رکھ کر ہوتا ہے۔ صدقہ مومن کے دل کو پاک وضاحت کرتا ہے، تعلق باللہ مضبوط کرتا ہے۔ اور مومن کے جان ومال میں برکت ڈالتا ہے، جبکہ ریاکار دل بہت جلد ضعیف ہو جاتا ہے۔ جسمانی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں، اس کی بربادی کا کوئی علاج نہیں یہ تمثیل انجام بد کی انتہائی قسم کی بڑی منظر کشی ہے، اور نہایت ہی موثر اور سبق آموز ہی، اس منظر میں وقتی امن او خوشحالی کے بعد دائمی اور مکمل تباہی اور بربادی ہے۔

"اہل علم ہی اللہ کی نشانیوں سے عبرت حاصل کرتے ہیں" اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل کو اپنے لیے خالص کر کے قبول ومنظور کر لیں۔ (آمین)

فصل سوم: کفار کی فلاحی سرگرمیاں اور امثال القرآن

کفار کا معنی و مفہوم، اقسام اور دیگر تفصیلات باب دوم کے فصل سوم میں گزر چکی ہیں۔

اس قرآنی مثال کے ذریعے کفار کے خرچ کرنے کی جو اہمیت اور حقیقت بتائی جارہی ہے۔ وہ درج ذیل ہے۔

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭوَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: جو کچھ وہ اپنی اس دنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہے اور اسے برباد کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا در حقیقت یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ نے بیان فرمایا کہ قیامت کے روز کفار کے مال ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس کو سن کر کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو اسکتا تھا کہ بعض اوقات کافر اپنے مال سے محتاجوں، یتیموں، مظلوموں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، پل، مسافر خانے، ہسپتال، کنویں اور دیگر رفاہی کام انجام دیتے ہیں تو کیا اس قسم کے نفقات واخراجات کا کافروں کو قیامت کے دن کوئی فائدہ نہیں ہو گا؟۔

اس دنیا میں انسان جو کچھ بوئے گا وہ علم آخرت میں کاٹے گا۔ مگر دنیا میں بوئی گئی کھیتی کی بار آوری کے لیے چند شرائط ہیں ان شرائط کو اگر ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے تو کھیتی کبھی بار آور نہیں ہو گی۔ اور وہ شرائط درج ذیل ہیں۔

۱) اللہ اور روز آخرت پر ایمان۔

۲) خلوص نیت یعنی اس میں ریاکاری کا شائبہ تک نہ ہو جو کام کیا جائے وہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ہو۔

۳) اتباع کتاب و سنت۔ یعنی وہ کام یا صدقہ وخیرات جو شریعت کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق کیا جائے۔

ان میں سے اگر کوئی چیز بھی مفقود ہو گی تو آخرت میں کچھ بھی حاصل نہ ہو گا، کافروں میں یہ تینوں شرائط ہی مفقود ہیں، کافر کی تعریف ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کا خود پر سب سے

۱۔ آل عمران: ۳/ ۱۱۷

بڑا ظلم ہے۔ لہذا جب آخرت پر ایمان ہی نہیں تو وہ جو خرچ کرتے ہیں وہ دنیاوی شہرت، ایوارڈز ار تعریفات کے ذریعے۔ دنیا میں ہی وصول کر لیتے ہیں، شریعت کی اتباع کا تو پھر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو پھر آخرت میں بھلا ایسے اعمال کا کیا بدلہ مل سکتا ہے، ان کے نیک اعمال کی کھیتی کو ان کے کفر کی کہر نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تو آخرت میں انہیں کی بدلہ ملے۔

مولانا میں احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"کفار کے خرچ کرنے کی تمثیل اس کھیتی کی ہے۔ جس پر پالے والی ہوا چل جائے۔ اور اس کو برباد کر کے رکھ دے۔ کفر و شرک کے ساتھ جو کام نیکی اور دینداری کی نوعیت کے لیے کیے جاتے ہیں وہ سب ار کارت جاتے ہیں۔ کفر و شرک ٹھنڈی آگ ہے جو ساری محنت کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتی ہے"[۱]

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

"جو مال دنیا کی زندگی کے لیے کافر خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ہوا کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو، "صر" کے معنی سخت سردی کے ہیں، یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی آئمہ کی تفسیر کا قول ہے، "عطاء" نے اس کے معنی سردی ار کہر کے بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی آگ کے ہیں یہ معنی بھی پہلے ہی کی طرح راجع ہے یونکہ سخت سردی خصوصاً کہر اور ژالہ باری بھی فصلوں ارو پھلوں کو اسی طرح جدا دیتی ے جس طرح آگ سے کسی چیز کو جلا دیا جاتا ہے"[۲]

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس مثال میں کھیتی سے مراد یہ کشت حیات ہے جس کی فصل آدمی کو آخرت میں کاٹنی ہے۔ ہوا سے مراد اوپری جذبہ خیر ہے جس کی بناء پر کفار رفاہ عامہ کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں اور پالے سے مرد صحیح ایمان اور ضابطہ خداوندی کی پیروی کا فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس تمثیل سے یہ بتانا چاہتا ہے۔ کہ جس طرح ہوا کھیتوں کی پرورش کے لیے مفید ہے، لیکن اگر اسی ہوا میں پالا ہو تو رہ کھیتی کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تباہ کر ڈالتی ہے، اسی طرح خیرات بھی اگرچہ انسان کے مزرعہ آخرت کو پرورش کرنے ولای چیز ہے، مگر جب اس کے اندر کفر کا زہر ملا ہوا ہو رتو یہی خیرات مفید ہونے کے بجائے الٹی مہلک بن جاتی ہے، ظاہر

۱۔ تدبر قرآن، ۲/۱۶۴

۲۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/۶۷۹

ہے کہ انسان کا مالک اللہ ہے ار اس مال کا مالک بھی اللہ ہے جس میں انسان تصرت کر رہا ہے۔ اور یہ مملکت بھی اللہ ہی کی ہے جس میں رہ کر وہ کام کر رہا ہے، اب اللہ کا یہ غلام اپنے مالک کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہیں کرتا، یا اس کی بندگی کے ساتھ کسی اور کی ناجائز بندگی بھی شریک کرتا ہے، اور اللہ کے مال اور اس کی مملکت میں تصرف کرتے ہوئے اسکے قانون وضابطہ کی اطاعت نہیں کرتا، تو اس کے یہ تمام تصرفات از سرتاپا جرم بن جاتے ہیں، اجر ملنا کیسا؟ وہ تو اس کا مستحق ہے کہ ان تمام حرکات کے لیے اس پر فوجداری کا مقدمہ قائم کیا جائے، اس کی خیرات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نوکر اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اس کا خزانہ کھولے ار جہاں جہاں اپنی دانست میں مناسب سمجھے خرچ کر ڈالے [۱]

کس قدر احسن انداز سے مولانا مودودیؒ نے کفار کے خرچ کی حیثیت بیان کر دی اور اس شبہ کا ازالہ بھی کر دیا کہ ان کے اچھے اور نیک کاموں کا اجر آخرت میں کیوں نہیں ملے گا۔ ان کی کھیتی کے پھل ان کے گناہوں کے وجہ سے ہی تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں جنھوں نے کسی اصل اور اساس کے بغیر اپنے کاموں کی بنیاد رکھی، اللہ ان پر کوئی ظلم نہیں کیا یہ خود پر خود ظلم کر رہے ہیں۔

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ [۲]

ترجمہ: اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا در حقیقت یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

درخت اپنی جڑ کے سلامت رہنے سے ہی سلامت رہتا ہے۔ اگر درخت کی جڑ ہی اکھاڑ دی جائے تو اس کی شاخوں اور پتوں پر پانی دینے میں خواہ کوئی کتنی ہی محنت اٹھائے اور کتنی ہی زخمت جھیلے سب بے سود ہے، اس کی محنت کی بربادی پر اگر قابل ملامت ہے تو وہ خود ہے نہ کی قدرت اور قدرت کا قانون۔ دین کی اساس اچھے اعمال کی جزاء کی بنیاد تو اخلاص نیت، اتباع رسول ﷺ اور آخرت پر ایمان پر ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

قریش مکہ اہل ایمان کے خلاف جو جنگی تیاریاں کر رہے تھے تو وہ اس کے لیے مال بھی خرچ کرتے تھے۔ ظاہر ہے اگر فوج تیار کرتی ہے تو اس کے لیے سواریاں بھی درکار ہوں گی اور سامان حرب وضرب کی ضرورت بھی ہو گی، ان سب کی فراہمی کے لیے مال خرچ کرنا ہو گا۔ یہ کفار ومشرکین کے اس انفاق مال کی طرف اشارہ ہے جو یہ لوگ دنیا کی زندگی میں

۱۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۸۱

۲۔ آل عمران: ۳/۱۱۷

یا تو اسلام کی مخالف کے لیے یا اپنے جی کو جھوٹی تسلی دینے کے لیے خرچ کرتے ہیں کہ ہم کچھ صدقہ وخیرات بھیکرتے ہیں۔ ان کے انفاق کی مثال اس آیت میں دی گئی ہے، ان کی نیکیاں، جدوجہد اور دوڑ دھوپ سب کا سب رائیگاں ہے [1]

اسلام دین فطرت اورر انصاف پسند دین ہے۔ کہ جو لوگ کفر کے بعد ایمان لے آئیں اروا پنے ایمان پر قائم رہیں تو وہ پچھلی جہلات میں کی گئی سب نیکیوں کا بھی شرف قبولیت پائیں گے۔ کیونکہ اسلام لانے کے دو فائدے ہیں اور وہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام لانے سے پہلے کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اسلام لانے سے پہلے نیک اعمال بر قرار رکھے جاتے ہیں، یعنی دور کفر کے اچھے کاموں کا بھی انہیں ثواب عطا کیا جائے گا، اور کافروں کا معاملہ اس کے بر عکس ہوتا ہے یعنی ان کی نیکیاں برباد اور گناہ لازم ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسُوْا سَوَاءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ- يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ - وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ - اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [2]

ترجمہ: مگر سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سر گرم رہتے ہیں۔ یہ صالح لوگ ہیں۔ اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی، اللہ پرہیز گار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کا رویّہ اختیار کیا تو اللہ کے مقابلہ میں ان کو نہ ان کا مال کچھ کام دے گا نہ اولاد، وہ تو آگ میں جانے والے لوگ ہیں اور آگ ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔

۱۔ بیان القرآن، ۲/ ۷۰

۲۔ آل عمران: ۳/ ۱۱۳، ۱۱۶

ان آیات سے واضح طور پر تصدیق ہوتی ہے کہ اہل کتاب میں سے جو ایمان لے آئے۔ اور جو کوئی بھی جیسی بھی نیکی کرے اس کا فائدہ اسے ہی ملے گا۔ کافروں کو ان کے مال اولاد کچھ کام نہیں آئیں گے۔

رسول ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ مومن پر کسی بھی نیکی کے سلسلہ میں کوئی ظلم نہیں کرے گا، دنیا میں بھی اسے اس کی نیکی کا بدلہ دیا جائے گا اور آخرت میں بھی اس سے اس کی نیکی کا بدلہ دیا جائے گا۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اپنے لئے کی ہوں گی اس کا بدلہ اسے دنیا میں دے دیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا بدلہ اسے دیا جائے“[۱]

اہل کتاب میں سے عبداللہ بن سلام کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ صحابہ انہیں جنتی کہا کرتے تھے۔ اسی طرح نجاشی شاہ حبشہ آپ ﷺ نے ان کا نماز جنازہ غائبانہ پڑھوایا۔ کفار میں سے حضرت بلال حبشی کی مثال ہمارے سامنے ہے، جن کو ایمان نے دنیا میں بھی فائدہ دیا اور آخرت میں بھی فائدہ ہوگا (ان شاءاللہ)[۲]

عصر حاضر میں اس مثال کی معنویت واضح طور پر سمجھ آتی ہے، کیونکہ زراعت ایک عام پیشہ ہے۔ ہر کوئی کھیتی کی حفاظت اور اس کو بونے سے آگاہ ہے، اس کی ضرورت واہمیت کو سمجھتا ہے، تو دعوتی اعتبار سے یہ قرآنی مثال نہایت فائدہ مند ہے کہ لوگوں کو نیک اعمال اور صحیح عقیدہ کی اہمیت از بر کروائی جاسکے۔ اس حقیقت کو قرآن نے ایک منظر کی صورت میں پیش کیا جس میں حرکت ہی حرکت ہے۔ اور یہ حرکت زندگی سے بھرپور ہے، اور یہ قرآن کا حسین و جمیل طرز تعبیر ہے۔ جس میں ایک نظری حقیقت بھی متحرک نظر آتی ہے، اگرچہ انہوں نے جن کاموں میں اپنا مال خرچ کیا وہ اسے کار خیر سمجھتے ہیں، اس لیے کہ خیر وہی ہوتی ہے، جس کی کونپلیں شاخ سے پھوٹیں، اور اس کا تعلق ایمان سے ہو۔ لیکن قرآن اس کی تعبیر اس طرح نہیں کرتا جس طرح ہم کرتے ہیں، وہ اس حقیقت کو ایک زندہ اور متحرک منظر کی صورت میں پیش کرتا ہے، جو نبض کی طرح متحرک ہو۔ ہم ایک ایسے مقام پر کھڑے ہوں جس کے سامنے ایک ہرا بھرا کھیت ہے۔ فصل کٹائی کے لیے تیار ہے، کھیت لہلہا رہا ہے، اچانک تیز ہوا چلی ہے، پر نہایت سرد اور برفانی ہوا ہے، شدید سردی کی وجہ سے تیار فصل جل جائے پورے کا پورا کھیت آناً فاناً چشم زدن میں تباہ و برباد ہو جائے۔ تو ایسے میں مالک کی کیا حالت

۱۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن بحسناتہ فی الدنیا والاخر، ح:۲۸۰۸

۲۔ کیلانی، مولانا عبدالرحمن، تیسیر القرآن، مکتبہ اسلام، لاہور، ۱۴۳۵ھ، ۱/۲۹۹

ہو؟ اسی طرح کفار کا انفاق ہے۔ دنیا میں وہ کس قدر Charity کا کام کرتے ہیں لوگ ان کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اور تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں ان کی شخصیتوں کی مثال پیش کی جاتی ہے، جہاں جاتے ہیں عزت پاتے ہیں لیکن آخرت میں یہ سب ان کو کچھ فائدہ نہیں دیں گے۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»[۱]

ترجمہ: بے شک اعمال کا درومدار نیتوں پر ہے۔

اور ان کی نیت صرف دنیا کا حصول ہے۔ آخرت پر یقین تک نہیں تو جزا کیسے پائیں گے؟ اس طرح کے حوادث اور مشکلات خود انسان کے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا وہ خود پر ظلم کر رہے ہیں خود انہوں نے اس نظام زندگی سے روگردانی کی جو تمام انفرادی بھلایئوں اور اچھائیوں کو جمع کرنے والا ہے، ان کو ایک خط مستقیم پر لاتا ہے، اور مستحکم کرکے ایک مرکز تک پہنچاتا ہے، جس کا ایک مقررہ ہدف ہے، ایک قابل فہم داعیہ ہے اس میں نیکی کا ایک خاص طریق کار ہے، اس میں نیکی کو کسی عارضی جذبے یا کسی پوشیدہ خواہش یا کسی بے ربط عمل کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاتا بلکہ اس میں نیکی اور بھلائی ایک مستقل دائمی منہاج کے مطابق سر انجام دی جاتی ہے، ان لوگوں نے خود اپنے لیے گمراہی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ کی رسی کی حفاظت سے منہ موڑا جس کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت ہوگئے، ان کا کھیت تباہ ہوگیا۔ غرض یہ کہ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ کوئی انفاق فی سبیل اللہ، کوئی عمل صالح اس وقت تک مفید نہیں جب تک اس کا رابطہ ایمانی منہج سے نہ ہو، اللہ ہمیں راہ حق پر چلنے اور استقامت کی توفیق دے۔ (امین)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب بدءالوحی، ح:۱

فصل چہارم: حق اور باطل کی کشمکش اور امثال القرآن

حق کے لغوی معنی

حق ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم ہے اور صفت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی ہیں واقع ہو جانا، ثابت ہو جانا، حقیقت اور سچائی اس کا متضاد باطل ہے [۱]

قرآن میں حق کا لفظ ظن کے مقابل میں آتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ [۲]

ترجمہ: حالانکہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا۔

اگر ''ثابت ہونا'' کے معنی میں لیا جائے تو قرآن میں آتا ہے۔

﴿اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ [۳]

ترجمہ: اللہ کے وعدے حق (ثابت) ہونے والے ہیں۔

حق کے اصطلاحی معنی

حق ہر وہ بات یا چیز ہے جو تجربہ اور مشاہدہ کے بعد سچ اور درست ثابت ہو [۴]

۱۔ مولانا عبد الرحمٰن کیلانی، مترادفات القرآن، مکتبہ السلام، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۸۰

۲۔ یونس: ۱۰/ ۳۶

۳۔ یونس: ۱۰/ ۵۵

۴۔ کیلانی، مولانا عبد الرحمٰن، مترادفات القرآن، ص: ۵۸۰

حق کوئی ذہنی، نظری، تصوراتی یا محض عقیدہ کی کوئی چیز نہیں۔ یہ عقائد اور نظریات کے تعمیری نتائج کا نام ہے۔ جو ٹھوس شکل میں سامنے آجائیں اور اپنی صداقتوں کے لیے جارجی دلائل کے محتاج نہ ہوں۔ اس دنیا سے متعلق کوئی عقیدہ حق ثابت نہیں کہلا سکتا۔ جب تک اس کے تعمیری نتائج ایک ٹھوس حقیقت بن کر سامنے نہ آجائیں۔

قرآن میں ہے:

﴿أُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ﴾(۱)

ترجمہ: جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ سراسر حق ہے۔

باطل کے لغوی معنی

باطل عربی زبان میں ثلاثی مجرد سے مشتق صیغہ اسم فاعل ہے۔ اس کا متضاد "حق" ہے۔ جس کے معنی، "ناحق، بے کار، فاسد، حقیقت کے خلاف ہیں"(۲)

باطل کے اصطلاحی معنی

تحقیق کے بعد جس چیز میں ثبات اور پائیداری نظر نہ آئے۔ وہ باطل ہے۔ یعنی ناحق اور بے اصل کام کو باطل کہتے ہیں(۳)

بَطَلَ: کسی چیز کا بے نتیجہ اور بے اثر ہونے کی وجہ سے ضائع ہونا ہے، جسے بدپرہیزی علاج کے فائدہ کو بے اثر کر دیتی ہے یا علاج بیماری کے اثرات کو دور کر کے ختم کر دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(۴)

ترجمہ: اس طرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔

۱۔ سبا:۶/۳۴

۲۔ مترادف القرآن، ص:۲۱۱

۳۔ ایضاً

۴۔ الاعراف:۱۱۸/۷

اَبطل: کسی کام کو بے اثر اور بے نتیجہ بندینا، جس کی وجہ کوئی دوسرا اس کے مخالف عمل ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾(۱)

ترجمہ: اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر ضائع نہ کرو۔

جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اس پر پوری نہ اترے وہ باطل ہے۔

قرآن میں ہے:

﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾(۲)

ترجمہ: اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

حق اور باطل کے معرکے

جب سے دنیا قائم ہوئی ہے، تبھی سے حق اور باطل کی جنگ ہوتی رہی ہے اور ہمیشہ سے ہی حق باطل پر غالب رہا ہے۔ باطل اپنے آپ کو چاہے جتنا مضبوط کر لے اور اپنے پَر پھیلا لے مگر حق کے سامنے وہ ہمیشہ زیر ہوتا رہا ہے، جس طرح رات کی تاریکی کے بعد صبح کی سفیدی نمودار ہوتی ہے اسی طرح ظلم کی تاریکیوں کو کچل کر حقانیت کا پرچم بلند ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

اگر دیکھا جائے تو حق اور باطل کی جنگ کی ابتداء اسی وقت ہو چکی تھی جس وقت اللہ رب العزت نے حضرت آدمؑ کو بنایا اور فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تمام فرشتے اللہ کے حکم پر سجدے میں گرِ گئے سوائے ابلیس کے، ابلیس اپنے غرور کے سبب ملعون ہوا، اور اللہ کے حکم سے جنت سے نکال دیا گیا، تو ابلیس نے کہا اب میں تیرے بندوں کو باطل کی طرف لے جاؤں گا اور حق سے بھٹکاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ تیری پیروی صرف بہکے ہوئے لوگ ہی کریں گے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں سورۃ الحجر (۲۸۔۴۵) حق اور باطل کے

۱۔ البقرۃ:۲/۲۶۴

۲۔ الاسراء:۱۷/۸۱

درمیان دوسری لڑائی حضرت آدمؑ کے ان دو بیٹوں سے شروع ہوئی جن میں سے ایک کا نام ہابیل اور دوسرے کا قابیل تھا، جب ان دونوں نے قربانی تو ایک کی قبول ہو گئی دوسرے کی نہیں۔ تو قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکی کی۔ ہابیل نے کہ اللہ تو متقیوں کی ہی نذر قبول کرتا ہے، اگر تو مجھے قتل بھی کرے گا تو میں کچھ نہیں کرونگا، میں اللہ سے ڈرتا ہوں میرے اور تیرے گناہ کا سب بوجھ تجھ پر ہو گا۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے ساری انسانیت کے قتل کا حصہ اور بوجھ اپنے سر لے لیا اور خسارے اٹھانے والوں میں سے ہو گیا، سورۃ المائدہ ۲۷، ۳۰ میں مزید تفصیلات پڑھیں، حق اور باطل کا تیسرا معرکہ حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کا ہے، جب حضرت ابرہیمؑ نے حقانیت کے پیغام کو عام کرنا چاہا اور باطل کا سر کچلنا چاہا تو اس وقت کا ظالم وجابر حکمران نمرود نے حضرت ابرہیمؑ کو آگ کے کنویں میں ڈال دیا۔ مگر اللہ کے حکم سے آگ گلزار بن گئی اور وہ بخیر وعافیت باہر آ گئے۔ ظالم وجابر بادشاہ کا خاتمہ اللہ نے ایک مچھر سے کر کے رہتی دنیا تک اسے عبرت کا نشان بنا دیا اور حق کو کامیابی ملی[۱]

حق اور باطل کی چوتھی لڑائی حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان ہوئی، حضرت موسیٰؑ کی ولادت ایک ایسی فضا میں ہوئی جہاں پر ہر جانب فرعون کا رعب ودبدبہ تھا۔ وہ اپنی رعایا پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا تھا۔ ظلم کی انتہا کی کہ لڑکوں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔ اپنی خدائی کے زعم میں۔ اسکے ظلم اور باطل کو خرم کرنے کے لیے اللہ نے موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا۔ فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر میں غرق کر دیا۔ آج بھی اس کی لاش نشان عبرت کے طور پر موجود ہے۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ سب سے زیادہ دفعہ ملتا ہے، اللہ نے جا بجا حق کی کامیابی اور باطل کی شکست کو مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے، تفصیل کے لیے سورت یونس کا مطالعہ کیجئے۔

حق اوار باطل کے درمیان پانچویں لڑائی اس وقت ہوئی جب یمن کا بادشاہ اللہ کے گھر کعبۃ اللہ کی حرمت کو پامال اور نیست ونابود کرنے کے ارادے سے مکہ میں داخل ہوا۔ اللہ نے اس کے تکبر کو توڑنے کے لیے ننھی سی مخلوق ابابیل کو اپنے گھر کی حفاظت کے لیے بھیجا جس نے ابرہہ کے لشکر کو نیست ونابود کر دیا اور باطل بری طرح ذلیل وخوار اور تباہ ہوا، سورۃ الفیل میں اس کا ذکر ملتا ہے، حق اور باطل میں سب سے اہم اور یادگار جنگ اس وقت ہوئی جب ہر طرف کفر اور ظلم کی انتہاء ہو چکی تھی۔ عورتوں کی کوئی عزت باقی نہ تھی، بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ مظلوموں کی کوئی دادرسی کرنے والا نہیں تھا، ہر طرف افراتفری اور نفسانفسی کا بول بولا تھا، اللہ کی حقانیت اور پیغامات کو لوگ بھلا چکے تھے۔ ایسے میں اللہ نے حق کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے ۴۰ سال تک

۱۔ الاسراء:۱۷/۸۱

اپنے اخلاق وکردر کا لوہا منوایا، لوگ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے، لیکن نبوت کا دعویٰ کرتے ہی سب آپ ﷺ کے جانی دشمن ہوگئے۔ آپ ﷺ کے رشتہ دار تک آپ کے خلاف ہوگئے، ہجرت کرکے مدینہ گئے تو وہاں بھی مکہ والوں نے آپ ﷺ کو سکون سے نہ رہنے دیا، ذہنی، جسمانی ہر طرح کا نقصان پہنچایا، مکہ والے ایک بڑی فوج لے کر ۲ ہجری کو مدینہ میں بدر کے مقام پر مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ جس میں ۱۰۰۰ مشرکین اور ۳۱۳ مسلمان تھے۔ یقیناً یہ حق اور باطل کی جنگ تھی آخر اللہ کی مدد سے حق باطل پر غالب آیا۔ ۳۱۳ نے ۱۰۰۰ کو شکست دی۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس معرکہ کو قرآن میں یوم الفرقان کہا ہے۔

اس کے علاوہ حق اور باطل کے بہت سارے تاریخی واقعات میں جن کو اس مختصر سی جگہ پر قلمبند کرنا ممکن نہیں، لیکن یہ ثابت ہوتا ہے کہ حق ہمیشہ باطل پر غالب رہا ہے اور رہے گا، وقتی ظلم اور اندھیرے صبح کی روشنی او سفیدی کو ظاہر ہونے سے نہیں روک سکتے، قرآن دین وکفر اور حق وباطل کے درمیان حد فاصل ہے۔

قرآن نے کیا خوب وضاحت کی ہے:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَي الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُه فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ﴾[۱]

ترجمہ: مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جا تا ہے اور تمہارے لیے تباہی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بناتے ہو۔

حق اور باطل کی اہمیت کے پیش نظر اور مزید وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن میں اسے ایک خوبصورت حسی مثال کے ذریعے فرماتے ہیں:

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُه كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾[۲]

۱۔ الانبیاء:۲۱/۱۸

۲۔ الرعد:۱۳/۱۷

ترجمہ: اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آ گئے۔ اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اِسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے۔ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ حق وباطل کی مثالیں بیان فرمارہے ہیں کہ ایک دعوت حق ہے جو ہمیشہ زمین پر باقی رہتی ہے اور ایک دعوت باطل ہے جو ادھر چلتی ہے جدھر ہوا کا رخ ہو، ایک بھلائی ہے جو پر وقار اور جمی رہتی ہے۔ ایک شر اور برائی ہے جو ظاہری طور پر پھلتی پھولتی نظر آتی ہے۔ یہ مثال اللہ واحد کے غلبے اور گرفت کا مظہر ہے۔ اور یہ بتاتی ہے کہ اللہ خالق ومدبر نے ہر چیز کو کس اندازے اور ضرورت کے مطابق پیدا کی ہے۔ یہ مثال انہی مناظر قدرت کی ہم جنس ہے۔

اس مثال میں اللہ نے کائنات کی فطرت کو یوں واضح فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو وادیاں اور نالے لبریز ہو کر بہہ نکلتے ہیں پھر دیکھتے ہو کہ سیلاب جھاگ کو ابھار کر اوپر کر دیتا ہے، پھر جھاگ تو خس وخاشاک ہو کر ہوا میں اڑ جاتا ہے لیکن پانی جو زمین اور اہل زمین کے لیے نافع ہے زمین میں ٹک جاتا ہے، قرآن چونکہ حجاز میں نازل ہر رہا تھا اسلیے اس میں زیادہ تر مثالیں بھی اسی سرزمین سے دی گئی ہیں لیکن ہم آج بھی اس کا مشاہدہ اپنے گرد کر سکتے ہیں۔ علاقہ حجاز کے پہاڑی سلسلوں اور وادیوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو ہر وادی میں اس کی وسعت کے مطابق سیلاب کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی وادی کا Catchment Area زیادہ ہے تو وہاں زیادہ زور دار سیلاب آجاتا ہے، اور جس کا کم ہے وہاں تھوڑا سیلاب آجاتا ہے۔ پانی جب زور سے بہتا ہے تو اس پر جھاگ سی بن جاتی ہے جو بظاہر دیکھنے میں بھلی بھی معلوم ہوتی ہے اور بکثرت بھی۔ لیکن درحقیقت اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی، اصل نتائج کے اعتبار سے اس کا ہونا پانہ گویا برابر ہے، سیلاب کا پانی تو زمین میں جذب ہو کر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے لیکن جھاگ ضائع ہو جاتی ہے اسی طرح پگھلی ہوئی دھات کے اوپر پھولا ہوا جھاگ اور میل کچیل فضول چیز ہے، اصل خالص دھات اس جھاگ کے نیچے کھٹائی کی تہہ میں موجود ہوتی ہے جس سے کوئی زیور یا فائدہ مند قیمتی چیز بنائی جاتی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درحقیقت نافع چیز یا انسان باقی رہتے ہیں اور غیر نافع ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کو مبنی کیا ہے کہ وہ بھی اسی طرح حق وباطل کو ٹکراتا ہے ہم نے دیکھا کہ حق وباطل کے معرکوں میں باطل کا جھاگ جو ابھرتا ہے وہ یوں ہی خس وخاشاک کی طرح اڑ جاتا ہے۔ البتہ حق جو لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیز ہے وہ باقی رہ

جاتی ہے، مطلب اللہ یہ تمثیلیں اس لیے پیش کررہے ہیں کہ ان کے اندر وہ لوگ بھی اپنا مستقبل دیکھ لیں جو باطل کی حمایت میں آستینیں چڑھائے ہوئے ہیں اور اہل ایمان بھی روشن مستقبل دیکھ لیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

اللہ نے اس آیت میں حق وباطل کے فرق، حق کی پائیداری اور باطل کی بے ثباتی پر یہ دو مثالیں بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بادلوں سے بارش برساتے ہیں، چشموں۔ دریاؤں، نالوں کے ذریعے برسات کا پانی بہنے لگتا ہے۔ حق اور اہل حق کی مثال اس بارش کی سی ہے اس پانی سے لوگ خود بھی مستفید ہوتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اپنی زمینیں بھی سیر اب کرتے ہیں، یہی مثال دلوں کے تفاوت کی ہے کوئی اسمانی علم زیادہ لے لیتا ہے اور کوئی کم ہر کوئی اپنی وسعت اور ظرف کے مطابق لیتا ہے۔

دوسری مثال سونے، چاندی، لوہے تانبے کی ہے، اسے آگ میں تپایا جاتا ہے، سونے چاندی زیور کے لیے اور تانبا لوہا برتن کے لیے، یہ معدنیات بھی ایک مدت مدید تک باقی رہتے ہیں اور لوگ ان سے مستفید ہوتے ہیں اور باطل کی مثال جھاگ اور زنگ کی ہے جو کسی کام کا نہیں ہوتا اور تھوڑی دیر کے لیے اوپر اٹھنے کے بعد جلد ہی اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ حق کو دوام وثبات حاصل ہے اور باطل زوال پزیر ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جن کے دل میں یقین کے ساتھ علم الہی کامل ہوتے ہیں اور بعض دل وہ بھی ہیں جن میں شک باقی رہ جاتا ہے پس شک کے ساتھ علم بے سود ہوتا ہے، یقین پورا فائدہ دیتا ہے۔ ابد سے مراد شک ہے جو کمتر چیز ہے، یقین کا آمد چیز ہے جو باقی رہنے ولی ہے، جیسے زیور جو آگ میں تپایا جاتا ہے تو کھوٹ جل جاتا ہے اور کھری چیز رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے ہاں یقین مقبول ہے، شک مردود ہے، نیک اور خالص اعمال عامل کو نفع دیتے ہیں اور باقی رہتے ہیں، ہدایت وحق پر رہنے والا عامل نفع پاتا ہے، اس طرح باطل، شک اور ریاکاری والے اعمال اللہ کے ہاں کارآمد نہیں ہوسکتے۔ قیامت کے دن باطل ضائع ہوجائے گا اور ہل حق کو حق نفع دے گا[1]

ا۔ تفسیر ابن کثیر، ۵۴۷/۳

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

اس تمثیل میں اس علم کو جو نبی ﷺ پر وحی کے ذریعے سے نازل کیا گیا، آسمانی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اہل ایمان سلیم الفطرت لوگوں کو ان ندی نالوں کے مانند ٹھہرایا گیا ہے، جو اپنے اپنے ظرف کے مطابق باران رحمت سے بھرپور ہو کر رواں دواں ہو جاتے ہیں، اور اس ہنگامہ سورش کو جو تحریک اسلامی کے خلاف منکرین و مخالفین نے برپا کر رکھی تھی اس جھاگ اور خس و خاشاک سے تشبیہ دی ہے جو ہمیشہ سیلاب کے اٹھتے ہی سطح پر اپنی اچھل کود دکھانی شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح دھات تیار ہوئے میل کچیل ضرور ابھرتا ہے وہ اس شان سے چرخ کھاتا ہے کہ کچھ دیر تک اس سطح پر بس وہی نظر آتا ہے (۱)

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

کہ جس ہدایت و علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا اس کی مثال بارش کی سی ہے، جو زمین پر برسی اب زمین کے ایک حصے نے تو پانی قبول کر لیا اور اس پر گھاس اور چارا بکثرت اگ آیا اور زمین کا کچھ حصہ جاذب تھا، سو اس نے پانی روک لیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور یوں پانی ان کے پینے پلانے کے اور کھیتی باڑی کے کام آیا اور زمین کا جو ٹکڑا اسنگلاخ اور سخت تھا نہ اس میں کچھ پانی ٹھہرا اور نہ اس میں کچھ پیداوار ہو سکی تو یہ اس کی مثال ہے کہ جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور میری بعثت سے اللہ نے اس کو فائدہ پہنچایا، اس نے خود علم سیکھا او دوسروں کو سکھایا اور اس کی مثال بھی جس نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہدایت اللہ تک قبول کی، جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں (۲)

ان مثالوں اور حدیث سے واضح ہوتاے ہ کہ قرآن و سنت اور اس کی تعلیم جو لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیز ہے۔ جاودانی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ ہر دور میں قرآن کے بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے باطل ان کے مقابلے پر اتر آتا ہے اور ابتداً حق پر چھا جاتا ہے، لیکن جب حق کی چوٹ باطل پر پڑتی ہے تو باطل جھاگ کی طرح کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

ڈراون نے اپنے نظریہ ارتقاء میں ''بقاء للا صلح'' کی اصطلاح (Survival of the fittest) استعمال کی تھی۔ یعنی جس چیز میں باقی رہنے کی صلاحیت موجود ہو وہی باقی رہتی ہے۔ قرآن نے اس کے مقابلے میں ''بقاء للا نفع'' کا ذکر فرمایا، جو

۱۔ تفہیم القرآن، ۲/ ۴۵۳

۲۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم وعلّم، ح:۸۹

عقل کو ڈارونی اصطلاح سے بہت زیادہ اپیل کرتا ہے، یعنی ڈارون کا نظریہ یہ ہے کہ کسی چیز میں باقی رہنے کی صلاحیت ہے یا نہیں اگر صلاحیت نہیں تو وہ باقی نہ رہے گی، جبکہ قرآن بتلاتا ہے۔ جس چیز میں لوگوں کے لیے فائدہ ہو صرف وہی باقی رہتی ہے، کھوٹ میں لوگوں کے لیے کچھ فائدہ نہ تھالہذا وہ جل گیا، سونے میں فائدہ تھا وہ باقی رہا، یہ آیت کارل مارکس کے Dialectical materalism کے فلسفے کے حوالے سے بھی بہت اہم ہے، اس فلسفے کا جتنا حصہ درست ہے وہ اس آیت میں موجود ہے۔ دور جدید کے یہ جتنے نظریے ہیں ان میں کچھ نہ کچھ سچائی موجود ہوتی ہے، ڈارون کا نظریہ اتقاء ہو یا فرائیڈ اور مارکس کا نظریہ ان میں سے کوئی بھی سو فیصد غلط نہیں ہے، ان میں غلط اور درست کے خیالات گڈ مڈ ہیں، جہاں تک مارکس کے نظریہ جدلیاتی مادیت کا تعلق ہے۔ اس کے مطابق کسی معاشرے میں ایک خیال یا نظریہ جنم لیتا ہے، جس کو Thesis کہا جاتا۔ اس کے رد عمل کے طور پر Anti Thesis وجود میں آتا ہے پھر یہ Thesis اور Anti Thesis ٹکراتے ہیں اور ان کے ٹکرانے سے ایک نئی شکل پیدا ہوی ہے، جسے "synthesis" کہتے ہیں، یہ اگرچہ اس نظریے کی بہتر شکل ہوتی ہے، مگر یہ بھی اپنی جگہ کامل نہیں ہوتی، اس کے اندر بھی نقائص موجود ہوتے ہیں، چنانچہ اس synthesis کی کوکھ سے ایک اور Anti Thesis جنم لیتا ہے، ان کا پھر آپس میں اسی طرح ٹکراؤ ہوتا ہے پھر ایک اور نیا synthesis وجود میں آتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ اگے بڑھتا چلا جاتا ہے، اس تصادم میں جو چیز فضول، غلط بیکار ہوتی ہے۔ وہ ضائع ہوتی رہتی ہے۔ مگر جو علم اور خیال معاشرے اور نسل انسانی کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے [۱]

دور جدید کے بیشتر نظریے ایسے لوگوں کی تخلیق ہیں جن کے علم اور سوچ کا انحصار کلی طور پر مادے پر تھا۔ یہ لوگو روح اور اس کی حقیقت سے بالکل بایلد تھے۔ بنیادی طور پر وہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کے اخذ کردہ نتائج اکثر و بیشتر غلط اور گمرہ کن تھے بہر حال اس سارے عمل میں غلط اور باطل خیالات و مفروضات خود چھٹتے رہتے ہیں اور نسل انسانی کے لیے مفید علوم کی تطہیر ہوتی رہتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُه فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ [۲]

ترجمہ: مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے دیکھتے مٹ جاتا ہے۔

۱۔ Dialectical materialism by karl marx org, www.bmkmusic.com Thesis Arti thesis synthesis karlmarx

۲۔ الانبیاء:۱۸/۲۱

حق و باطل اور خیر و شر کی اس کشمکش کے ذریعے سے گویا نسل انسانی تدریجاً تمدن اور ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے رفتہ رفتہ بہتری کی طرف آ رہی ہے۔

اس سے اس بات کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک مقدار مقرر کر رکھی ہے ہر ندی نالے کے بھی پانی کی مقدار مقرر ہے۔ یہ اللہ کی شان مدبرانہ ہے، تمثیل کا یہ رخ اور سمت دن رات سب لوگ کسی نہ کسی صورت یا انداز میں دیکھتے ہیں تو اس حسی مثال کسی نہ کسی شکل میں ہمارے سامنے ہوتی ہے کہ کیسے وقتی طور پر باطل بلند ہوتا، پھولتا، دلکش اور قلو میں نظر آتا ہے، اس کی کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہوتی حق ہمیشہ پر وقار، ٹھہرا ہوا اور جما ہوا ہوتا ہے، جو ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

یہ مثالیں تو علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ جن کے شعور اور دل زندہ ہوں۔ بعض سلف کی سمجھ میں اگر کوئی قرآن مثال نہ آتی تو رونے لگتے کیونکہ انہیں نہ سمجھنا علم سے خالی لوگوں کا وصف ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پر صحیح معنوں میں تدبر کرنے اور عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

ڈارون کا "نظریہ ارتقاء" جاننے کے لیے ہارون یحییٰ کی کتاب "نظریہ ارتقاء۔ ایک فریب" کا مطالعہ کیجئے۔[1]

---

[1] ۔ ہارون یحییٰ، نظریہ ارتقاء۔ ایک فریب، اسلامک ریسرچ سنٹر پاکستان اپریل ۲۰۱۱

باب پنجم: اخلاقیات سے متعلق امثال القرآن

فصل اول: حسن اخلاق اور امثال القرآن

فصل دوم: رذائل اخلاق اور امثال القرآن

فصل اول: حسن اخلاق اور امثال القرآن

اخلاق کے لغوی معنی

اخلاق کا مادہ (خ،ل،ق) ہے۔ اگر اسے زبر کے ساتھ یعنی خَلَق پڑھا جائے تو مراد پیدا کرنا، صورت گری کرنا اور ظاہری شکل وصورت ہے۔ اور اگر "پیش" کے ساتھ یعنی "خُلِق" پڑھا جائے تو مراد عادت، خصلت، باطنی شکل وصورت کے معنی میں استعمال ہو گا[(۱)]

اخلاق "خلق" کی جمع ہے، جسکے معنی ہیں طبیعت، مروت، عادت۔ یعنی طور طریقہ اور افتار وگفتار کو اخلاق کہتے ہیں[(۲)]

الخليق والمختلق: حسن الخلق[(۳)]

بہترین اخلاق کو خلیق و مختلق کہتے ہے۔

الخلق السجيه: عادت وطور طریقہ[(۴)]

الخلاق کے اصطلاحی معنی:

اخلاق انسان کو باطنی صفات کو مہیا کہا جاتا ہے جو اس میں پائی جاتی ہیں۔ یہ لفظ اچھی اور نیک صفات جیسے جوانمردی اور دلیری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح فردی اخلاق جیسے صبر دلیر اور شجاعت ومعاشرتی اور ااجتماعی اخلاق جیسے تواضع اور ایثار کو بھی شامل کرتا ہے اور بُری صفات پستی اور بزدلی کے لیے بھی بولا جاتا ہے[(۵)]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"اگر نفس میں موجود کیفیت ایسی ہو کہ اسکے باعث عقلی اور شرعی طور پر پسندیدہ اور اچھے افعال ادا ہو تو اسے حسن اخلاق کہتے ہیں اور اگر عقلی اور شرعی طور پر ناپسندیدہ، بُرے افعال ادا ہوں تو اسے بداخلاقی سے تعبیر کیا جاتا ہے"[(۶)]

۱۔ مفرادات فی غریب القرآن، ص:۲۹۷

۲۔ عصمت ابو سلیم، المنجد، عربی اردو، مکتبہ دانیال، ۲۰۱۲، ص:۲۹۴

۳۔ لسان اللسان، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱/ ۳۶۳

۴۔ ایضاً

۵۔ شیرازی، ناصر مکارم، اخلاق در قرآن، المؤسسۃ الاسلامیہ، ش۱۳۸۷، ۱/ ۶۷

۶۔ امام غزالی، محمد، احیاء العلوم، دار الغد الجدید، ۳/ ۱۶۵

حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

"چہرے کی تازگی، سخاوت اور ایزاء نہ دینا حسن خلق ہے"

اور عبد اللہ بن مبارک کی رائے ہے۔

"درج ذیل تین صفات کا نام حسن خلق ہے(۱) حرام کاموں سے اجتناب، حلال کی تلاش اور عیال کے لیے خرچ وخوراک میں فراخی[۱]

اخلاقیات کی اقسام

اخلاقیات کی دو اقسام ہیں ۱) حسن اخلاق ۲) رذائل اخلاق[۲]۔

عادات انسانی نفس میں ایک راسخ کیفیت کا نام ہے۔ جس سے اختیاری، اچھے یا بُری کام سر زد ہوتے رہتے ہیں، طبعی طور پر اس میں اچھی یا بُرے تربیت کا اثر ہوتا ہے، اگر اس میں حق انکی اور خیر کو ترجیح دیان اور اپنانا شامل کر دیا جائے یہ کام اس کی طبیعت بن جائیں تو اچھے کام بناء کسی مشقت اور تکلف کے آسانی سے ہو جاتے ہیں، یہی اخلاق حسنہ کہلاتی ہیں۔ جیسے حلم، حوصلہ، برداشت، صبر، نرمی، بردباری، کرم وشجاعت، سچائی، عدل واحسان وغیرہ۔

اسلام نے اچھی عادات اپنانے اور مسلمانوں میں انکی تربیت اور نفوس میں انہیں بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ نیز بندے کے ایمان واسلام میں اس کے ذاتی فضائل اور اخلاق حسنہ کا اعتناء اور اعتبار لازم ٹھہرایا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے نبی اکرم ﷺ کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾[۳]

ترجمہ: اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔

اور آپ ﷺ کو اچھے اخلاق وعادات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَه عَدَاوَةٌ كَاَنَّه وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾[۴]

ترجمہ: دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

۱۔ لجزائری، الشیخ ابو بکر ا، منہاج المسلم، باب اخلاقیات، دارالسلام، ۱۹۹۷ دسمبر، لاہور، ص:۲۴۱

۲۔ عبد اللہ شبہ، الاخلاق، مکتبہ العتبہ الحسینیہ، سن ندارد، ص:۳۱

۳۔ القلم:۶۸/۴

۴۔ فصلت:۴۱/۵

اللہ تعالیٰ نے اخلاق حسنہ کی ترغیب دینے کے لیے جنت عالیہ کا سبب قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ - الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾(۱)

ترجمہ: دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ ان خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے۔ جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔۔۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنی اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا۔

رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ»(۲)

ترجمہ: بے شک میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہو۔

آپ ﷺ نے اپنے ارشاد عالیہ میں محاسن اخلاق کی فضلیت واہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ»(۳)

ترجمہ: میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز بھاری نہیں۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِأَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»(۴)

ترجمہ: مومنین میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔

اچھے اخلاق کی ترغیب دلانے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے دعا بھی سکھائی:

«اللَّهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي، فَأَحْسَنْ خُلُقِي»(۵)

۱۔ آل عمران:۳/۱۳۳۔۱۳۴

۲۔ صحیح بخاری، الادب المفرد باب حسن الخلق، ح:۲۷۳

۳۔ شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، امام ابوداؤد، سنن، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، ح:۴۷۹۹،

۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، ح:۴۶۸۲

۵۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد، ح:۲، ۳۲۸۳/۹۹

ترجمہ: اے اللہ آپ نے میری صورت بہت اچھی بنائی میری سیرت بھی اچھی بنادے۔

حسن اخلاق کی فضلیت واہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں والدین کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی مثال بہت احسن طریقے سے بیان فرمائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا - وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾(۱)

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو گے، مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو، اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

یہاں " وَقَضٰى "معنی میں حکم فرمانے کے ہے تاکیدی حکم الٰہی جو کبھی بدلنے والا نہیں کہ عبادت صرف اللہ کی اور والدین کی ااطاعت میں کوئی کمی نہ آئے بشرطیکہ وہ شرک کا حکم دیں، اس حکم کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اللہ کی عبادت کے فوراً بعد والدین کی اطاعت پر زور دیا گیا، خصوصاً ان کے بڑھاپے میں ان کا پورا ادب کرنا، کوئی بُری بات زبان سے نہ نکالنا، بلکہ ادب، عزت کے واحترام کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا، نرمی اور تہذیب سے گفتگو کرنا، ان کی رضامندی کے کام کرنا، دکھ نہ دینا، ستانا نہیں، ان کے سامنے تواضع، عاجزی، فروتنی اور خاکساری سے رہنا ان کے انتقال کے بعد بھی صدقہ جاریہ کے کام کرنا اور دعا کرتے رہنا(۲)

اس سلسلے میں قرآن میں اللہ نے بہترین اور جامع دعا سکھائی ہے:

﴿ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾(۳)

ترجمہ: پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

۱۔ بنی اسرائیل:۱۷/۲۳۔۲۴

۲۔ تفسیر ابن کثیر، ص:۱۷۹

۳۔ بنی اسرائیل:۱۷/۲۴

"والدین کے ساتھ نرمی کا معاملہ اس حد تک رکھو کہ اگر کبھی ان کی کسی بات کو ٹالنا بھی پڑ جائے تو حکمت اور نرمی کے ساتھ ایسا کیا جائے۔ عقل اور منطق کے بل پر سینہ تان کر یوں جواب نہ دیا جائے کہ ان کا دل دکھے۔ جب بھی والدین کے سامنے آؤ تو تمہاری چال ڈھال اور گفتگو کے انداز سے عاجزی وانکساری اور ادب واحترام کا اظہار ہونا چاہیے"(۱)

انسان کے لیے سب سے پہلا رابطہ عقیدہ ہے۔ عقیدے اور نظریات ہی انسان کو متحد رکھ سکتے ہیں۔ عقائد ونظریات کے بعد انسانیت کے لیے پہلا یونٹ خاندان کا یونٹ ہے، اور خاندان کی تشکیل والدین سے ہوتی ہے، اس لیے اللہ کی بندگی کے بعد پہلا حکم والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ہے، اسلام میں اس کی بہت اہمیت ہے۔

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نے رسول ﷺ کے پاس آکر دریافت کیا" اے اللہ کے رسول ﷺ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں، اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں، اس نے پوچھا؟ پھر کون؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا، تیری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ"(۲)

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی سے برتاؤ کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ خالق ومالک ورازق ہے۔ لیکن اولاد کے ظاہری اسباب کی تکمیل کے لیے والدین کو بنایا اے ظاہر ہے جس شکل سے انسان کا بچہ پلتا ہے جانور کا بچہ اتنی مشکل سے نہیں پلتا۔ جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ گرمی، سردی، بارش کا ان پر اتنا اثر نہیں ہوتا، جتنا انسان کے بچے پر ہوتا ہے۔ ماں راتوں کو جاگ جاگ کر بچے کے آرام پر اپنا آرام قربان کردیتی ہے، باپ دھوپ، بارش سردی، گرمی میں دونوں کے اخراجات اٹھاتا ہے، تربیت پر پورا تعاون کرتا ہے، اگر بچہ بڑا ہو کر اپنی والدین کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آئے ان کا ساتھ چھوڑدے تو اس سے زیادہ ظلم اور بے انصافی کی ہوگی؟؟ معاشرتی زندگی کا یہ وہ اہم باب ہے جس کی طرف سے دنیادار ہمیشہ غافل ہی رہتا ہے، لیکن اسلام نے اس کی طرف بھرپور توجہ دلائی ہے۔

والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"دو بڑے گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا(۳)

۱۔ ڈاکٹر اسرار احمد، تفسیر بیان القرآن، ۲۹۸/۴

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ، ح:۵۹۸۱

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب الیمین الغموس، ح:۶۶۷۵

نہایت ہی خوبصورت انداز کلام اور نہایت نرم اور پر سوز الفاظ کے ساتھ قرآن کریم نے اولاد کے دلوں میں والدین کے حق میں عزت واحترام اور نرمی پیدا کرے کے لیے احسن مثال دی ہے، جو ان کے وجدان اور دل میں جذبات وعبوفت کو موجزن کرتی ہے۔

﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾(۱)

اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو۔

'ذل' کے معنی اس آیت میں اطاعت وفرمانبرداری کے ہیں، اس کے لئے 'جناح' کے استعمارے میں یہ تلمیح مضر ہے(۲)

عاجزی اور نرمی کی مثال پرندے کے پر سے دی گئی۔ جس طرح پرندہ اپنے بچوں کو تکلیف اور سختی ماحول کے وقت اپنے پروں میں چھپالیتا ہے۔ اسی طرح والدین کا حق ہے کہ بڑھاپے میں تم انہیں اطاعت ومحبت کے بازوؤں میں چھپائے رکھو۔

یہی صفت اللہ تعالیٰ قرآن میں آپ ﷺ کی بیان کرتے ہیں کہ مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکادو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۳)

ترجمہ: اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

کبھی چڑیا جیسی ننھی مخلوق کو پرواز کرتے دیکھیں کہ وہ اپنے بچوں کو غایت حفاظت کس طرح پروں کے نیچے چھپا کر اڑتی ہے جب پروز سے فارغ ہو کر زمین پر اترنا چاہتی ہے تو بچوں کو نیچے اتار کر اپنے پر ان پر سمیٹ لیتی ہے، پر اعضاء میں سب سے نرم ورنازک حصہ ہوتے ہیں۔ جس کی تمثیل دے کر اللہ نے قرآن میں سمجھایا۔

اس تمثیل سے بہت خوبصورت مضمون اور سلوک ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح پرندوں کے بچے بہت کمزور نظر آتے ہیں اور اپنے والدین کے اس خوبصورت سلوک کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ انسان بھی اپنے رب کے نرم اور محبوبانہ سلوک کا ہمیشہ محتاج ہوتا ہے۔ لہذا انسان کو اس کے ذریعے بہت اعلیٰ سلوک اختیار کرنے کی خوبصورت تعلیم سے ہمکنار کیا گیا ہے۔ جسے اسے ہمیشہ اپنے زندگی کا حصہ بنالینا چاہیے۔

۱۔ بنی اسرائیل:۱۷/۲۴

۲۔ اصلاحی، مولانا امین احسن، تدبر القرآن، ادراہ فاران فاؤنڈیشن دسمبر ۲۰۰۰، لاہور، ۴/۴۹۶

۳۔ الشعراء:۲۶/۲۱۵

انسانوں کی اڑنے کی خواہش نے اسے مختلف تجربات کرنے پر مجبور کیا۔ اکارس کی قدیم روایات میں کہ اس نے موم کے پر گھاکر اڑنے کی کوشش کی لیکن سورج کی گرمی نے موم کو پگھلا دیا تو گر کر مر گیا، پھر بنی نوع انسانی مشینی مدد کی طرف راغب ہوئے، مثلاً گرم ہوا کا غبارہ، راکٹ وغیرہ۔ جو ایک بڑی کامیابی ہے۔ لیکن ہمارے مشینی پرواز پرندوں کے پروں جیسی پرواز سے کہیں پیچھے ہے۔ جس سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پروں کی ہڈیاں جانوروں کی اگلی ٹانگوں کی ہڈیوں اور انسانوں کے بازوؤں کی ہڈیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ان کی ہڈیاں مضبوط او جکڑی ہوئی ہوتی ہیں کیونکہ پرواز کے لیے ان کو اپنا سارا بوجھ اس پر ڈالنا ہوتا ہے، پر کیا ہی لاثانی تخلیق ہیں، ہڈیوں کی طرح وہ کھوکھلے، کم لچکدار اور مضبوط ہوتے ہیں، پرندوں کے ہر ایک پر کے بیچ جو ہری مادے سے بنی ہوئی ایک مرکزی تیر نماڈنڈی ہوتی ہے، جس کے دونوں طرف خوبصورت پنکھ پھوٹ پڑتے ہیں، اسی سبب وہ ہوا کو مخالف سمت میں دھکیلنے کے قابل ہوتے ہیں، ہجرتی پرندے جو مختلف حالات میں سینکڑوں میل بغیر کے اڑتے ہیں ان کے پٹھوں کا گوشت خاص طور پر سرخ ہوتا ہے۔ سفید گوشت والے پرندے لمبی پروز جاری رکھنے کے قابل نہیں ہوتے، پرواز کے دوران پرندوں کی نچلی سطح کے ساخت کے سبب اٹھاؤ پیدا ہوتا ہے، کافی حد تک ہوئی جہاز کے پروں کا اٹھاؤ بالکل اسی طرح ہوتا ہے [۱]

اسی طرح پرندے اپنے مضبوط اور نرم پروں کے باوجود اپنے بچوں کے لیے نہایت شفقت اور محبت سے ان کو بچھا کر حفاظت کرتے ہے، اسی طرح اللہ نے ان کی مثال دے کر انسان کو سمجھایا کہ جب تم مضبوط بن جاؤ اور والدین کمزور ہو جائیں تو عاجزی سے اپنے مضبوط پر ان کے لیے بچھا دو اور نرمی، محبت و شفقت سے پیش آؤ نرمی کی اہمیت پر بے شمار احادیث مبارکہ ملتی ہیں۔

سیدنا جریرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جو کوئی نرمی سے محروم کیا گیا وہ خیر سے محروم کر دیا گیا [۲]

سیدنا عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

کہ بے شک نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے زینت دار بنا دیتی ہے اور جس چیز سے یہ نکال لی جاتی ہے اسے عیب دار کر دیتی ہے [۳]

اسلام میں والدین کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی اہمیت تو اور کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے، والدین کے اندر فطری داعیہ ہوتا کہ وہ اولاد کا غم کھائیں، وہ اپنے بچوں کے لیے جان تک دے دیتے ہیں، سب فرائض منصبی ادا کرتے ہیں، اس لئے ان کو کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ اپنے بچوں کا خیال کریں، لیکن اولاد جب اپنی زندگی کی راہوں پر رواں دواں ہوتی

1۔ UK. Seagrantsatlantic.orgwww. Awaz-e- Haq.com

۲۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، ح:۶۵۹۸

۳۔ ایضاً: ح:۶۶۰۲

ہے، تو ان کی نظریں، جذبات اور اہتمام و توجہ آگے کی طرف ہوتی ہے۔ ہر انسان پیچھے والدین کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے آگے اپنی اولاد اپنے مستقبل، معاش کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگلی نسل کی فکر سب کو ہوتی ہے کم لوگ ہوتے ہیں جو پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ والدین اور جانے والی نسل کی بابت اولاد کے وجدان اور شعور کو جگایا جائے تاکہ وہ پیچھے دیکھ کر والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں، عصر حاضر میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس آیت کی اہمیت کسی قدر ہے۔ یورپ میں بے شمار Old Home بنا دیے گئے جہاں لوگ سالوں مڑ کر اپنے والدین کو نہیں دیکھتے کہ وہ اکن حالت میں ہیں۔

جنہوں نے اپنے خون کے آخری قطرے کو خشک کرکے اونچے مقام تک پہنچایا۔ اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں دلوا کر معاش کے قابل بنایا۔ دعوتی اعتبار سے یہ مثال نہایت اہمیت کی حامل ہے، پاکستان میں بھی سروے کی جائے تو معلوم ہوتا ہے جن گھرانوں میں صرف دنیاوی تعلیم پر توجہ دی جاتی ہے وہاں بچے اپنے والدین کے ساتھ کس قدر بد اخلاقی اور بد لحاظی کا سلوک کرتے ہیں۔ اولڈ ہوم جیسی مغربی قباحت کو اسلامی معاشرے کا حصہ بننے سے ہمیں روکنا چاہیئے۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کو اپنا کر اپنی دین و دنیا دونوں کو سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

فصل دوم: رذائل اخلاق اور امثال القرآن

رذائل اخلاق کا معنیٰ و مفہوم

"ر، ذ، ل" اس کا مادہ ہے، جس کے معنیٰ، ردّی ہونا، بُری صفات اور برائیاں ہیں [۱]

اخلاق کے لغوی و اصطلاحی معنی باب پنجم کی فصل اول میں گزر چکے ہیں۔

رذائل اخلاق کی تعریف

اگر انسانی نفس کی عادات کی مناسب تربیتو تہذیب نہ کی جائے اور اس میں پوشیدہ بھلائی کے عناصر کو برانگیختہ نہ کیا جائے یا اس کی تربیت بُری ہو جائے اور اسے قبیح چیز محبوب اور جمیل چیز ناپسند محسوس ہونے لگے اور پھر گھٹیا اور ناقص اقوال و افعال بلا تکلف اور بغیر مشقت کے اس سے صادر ہونے لگیں تو یہ بری عادات کہلاتی ہیں اور جو افعال و اقوال اس سے صادر ہوئے اخلاق سیئہ یا رذائل اخلاق کہلاتے ہیں۔ جیسے خیانت، جھوٹ، غیبت، تجسس، بدگمانی، چغلی، حسد، بے صبری، لالچ، زیادتی، سختی اور فحش وغیرہ۔ [۲]

حتیٰ کہ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سختی کی خرابی سے تنبیہہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے حسن اخلاق کو واضح فرمایا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [۳]

ترجمہ: ﴿اے پیغمبر﴾ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔

۱۔ Rekhtadictionary.com

۲۔ الجزائری، الشیخ ابو بکر، منہاج المسلم، باب اخلاقیات، ص: ۲۴۳

۳۔ آل عمران: ۳/۱۵۹

ظلم جیسے گناہ کی خباثت و تاریکی سے بچنے اور ممانعت کے لیے آپ ﷺ نے اس طرح ترغیب فرمائی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (۱)

ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی صورت میں ہو گا۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

رسول ﷺ نے اپنے رب عز و جل سے نقل کیا کہ میں انے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کیا ہے اور اپنے بندوں پر بھی، تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (۲)

رذائل اخلاق میں سے ایک خلق غیبت ہے جس کی قباحت کو واضح کرنے کے لیے اور اس کی معاشرتی فسادات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی ہے تا کہ لوگ اس سے بچ سکیں اور ایک مثالی اور فلاحی معاشرہ تشکیل پائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۳)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

مذکورہ آیت میں اتنے سارے قبائح کو بیان کر کے ان سے بچنے کی ترغیب دی گئی، یہ قرآن کے اعجاز میں سے ہے۔ ایمان والوں کو مخاطب کر کے تین اعمال کرنے سے روکا گیا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، ح:۲۴۴۷

۲۔ مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، ح:۶۵۷۵

۳۔ الحجرات:۴۹/۱۲

سب سے پہلے بہت زیادہ گمان کرنے سے۔ برے گمان بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے لیے امن والا معاشرہ چاہتا ہے جس میں مال وجان اور شخصیات محفوظ ہوں۔ صرف خارجی معاشرے کی سطح تک ہی نہیں بلکہ اسلام افکار اور ذہن کی بھی تربیت کرتا ہے۔ اگر ہم قرآن کے اس اخلاقی حکم پر عمل کر لیں تو بہت سارے بغض، عداوت، حسد اور دشمنیاں ختم ہو سکتی ہیں، کیونکہ ان جیسے بہت سے گناہوں کی جڑ بد ظنی اور دوسروں کے بارے میں غلط گمان رکھنا ہی ہے۔ برے گمان سے بچنے کا ایک ذریعہ مثبت سوچ ہے۔ جیسے اگر ہم رمضان میں کسی کو کھاتے پیتے دیکھیں تو اچھا گمان کریں کہ اسے کوئی شرعی عذر ہو سکتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

بدگمانی سے بچو، گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔ بھید نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کی ٹوہ حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جاؤ۔ حسد، بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھلانے سے بچو۔ سب مل کر اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو[1]

دوسرا اخلاقی کام جس کا حکم آیت میں دیا گیا وہ ہے دوسروں کے بارے میں تجسس نہ کرنا۔ تجسس غیر شرعی کاموں میں ناجائز ہے۔ جیسے فوجی دشمن سرگرمیوں کی اطلاع پانے کے لیے جو تجسس یا تحقیق کرتے ہیں وہ جائز ہے کیونکہ اپنے ملک کی حفاظت مقصود ہے۔

لوگوں کے ذاتی خفیہ کام یا راز جو وہ کسی کو نہیں بتانا چاہتے ان امور کے متعلق جاننے کی کوشش کرنا غلط بات ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گئے تو ان کو بگاڑ دو گے یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے[۲]

ایک مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے ان کی کھوج کرید کرے۔ لوگوں کے نجی خطوط پڑھے، دو لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے، ہمسایوں کے گھروں میں جھانکے، مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کی ذاتی معاملات ٹٹولے، یہ بہت بری بد اخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فسادات رونما ہوتے ہیں اس لیے اس کے انجام کی سنگینی کے پیش نظر آپ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا:

ا۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی عن التحاسد، ح: ۶۰۶۴

۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التجسس، ح: ۴۸۸۸

اے لوگو! جو زبان سے ایمان لے آئے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہو گا اللہ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور اللہ جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے[۱]

تیسری اخلاقی وصیت غیبت سے بچنے کی ہے۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے راز افشا کیے جائیں۔ اس آیت میں غیبت کرنے والے کی مثال یہ بیان کی گئی ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ جس کے بے شمار اخلاقی و معاشرتی نقصانات و فسادات ہیں۔ غیبت کی اس قبیح خصلت سے نفرت پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال اس طرح بیان کی کہ مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔

غیبت کی اس مثال میں ممثل بہ اور ممثل لہ کے بہت سے عناصر میں مماثلت ہے۔ ان عناصر میں ایک عنصر یہ ہے۔ مومن کے عزت اور ناموس کی مثال اس کے جسم کے گوشت کی سی ہے۔ مجلس میں اس کی غیبت کی مثال ایسے ہے جیسے ایک جسم میں جان اور زندگی نہیں، دونوں میں "مردہ" ہونے کی مماثلت پائی جاتی ہے۔ مردہ گوشت جو اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ ایک زندہ اور متحرک چیز سے مثال دے کر نہایت دقیق انداز میں اللہ نے غیبت کی قباحت کو بیان کیا ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص قطعاً پسند نہیں کرتے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

اس آیت میں بیان کردہ تینوں گناہ آپس میں تعلق رکھتے ہیں۔ ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بنتا ہے۔ ایک معاشرہ جہاں پر لوگوں کے بارے میں برا گمان ہو تو وہ انہیں تجسس جیسے گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور تجسس کے بعد اگلا قدم غیبت جیسے قبیح برائی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خود کو پہلے قدم یعنی برے گمان سے روک کر مثبت سوچ کا عادی بنالیں۔

غیبت جو دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی اور عذاب کا باعث ہے، آیئے پہلے اس کے معنی و مفہوم کو سمجھتے ہیں۔

غیبت کے لغوی معنی

غیبت (غَابَ، یَغِیْبُ، غِیَاباً) سے ماخوذ ہے۔ ایک شے کا دوسری شے میں پوشیدہ ہو جانا یعنی اس میں مستور ہو جانا[۲]

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الستر علی المسلم، ح:۴۸۹۱-۴۸۹۲

۲۔ البستانی، فؤاد خرام، منجد الطلاب، دارالمشرق، بیروت، ۱۹۲۱ء، ص ۵/ ۱۳۹

کسی کے پیچھے اس کا عیب کہنا، کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہنا[۱]

غیبت کی اصطلاحی تعریف

غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو کہ اگر اسے بات پہنچ جائے تو اس کو ناگوار ہو[۲]

غیبت کی تعریف خود آپ ﷺ نے بتائی ہے:

لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو۔ تو کہا گیا اگر وہ برائی اس میں ہو تب بھی، فرمایا: ہاں، غیبت تو وہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے[۳]

ابن منظور لکھتے ہیں:

ایک آدمی اپنے ساتھی کی غیبت کرتا ہے اگر وہ برائی اس میں موجود ہو یا ایسی چیز کے بارے میں بات کرنا جو اسے پریشان کر دے چاہے وہ اس میں پائی جائے۔ اگر سچائی ہے تو غیبت ہے اگر اس میں جھوٹ ہو تو وہ الزام و بہتان ہے[۴]

انسانی اعضاء میں زبان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے سامعین کے قلوب و اذہان میں گفتگو کرنے والے کا مقام متعین ہوتا ہے۔ جو شخص عامیانہ اور فضول، بدکلامی، غیر سنجیدہ گفتگو کا عادی ہو اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

اس کے برعکس جو شائستہ، باوقار، سنجیدہ اور بامقصد گفتگو کرے، لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا مقام حاصل ہے۔ اس سے مطالبہ ہے کہ وہ عقل و شعور کو کام میں لا کر اپنے اعضاء اور صلاحیتوں کو اپنے خالق و مالک کی رضا کے مطابق استعمال کرے۔

غیبت دوسروں کو گرانے اور تحقیر و تذلیل کرنے کی خواہش رکھنا اور ان کی غیر موجودگی میں ان کی عزت کو مجروح کرنا ہے۔ یہ خست اور بزدلی کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ پیچھے سے حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ غیبت ایک منفی

۱۔ فیروزاللغات، ص/۸۲۸

۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا، تفہیمات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص/۱۰۰

۳۔ تفسیر القرآن العظیم، ص۵/۱۳۹

۴۔ لسان العرب، ص۱/۶۵۶

نوعیت کا فعل بد ہے۔ جس کو کوئی کام نہیں ہوتا وہ دوسروں کی غیبت کرتا ہے۔ اس بناء پر قرآن نے غیبت کی شناخت و قباحت بیان کی ہے، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ﴾(۱)

ترجمہ: اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔

آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہہ دے کر اس فعل کے انتہائی گھناؤنا ہونے کا تصور دلایا ہے۔ مردار کا گوشت کھانا بذات خود نفرت کے قابل ہے اور وہ گوشت جو کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا ہو۔ انسان بھی وہ جو اس کا بھائی ہو۔ پھر اس تشبیہہ کو سوالیہ انداز میں پیش کر کے زیادہ مؤثر بنادیا گیا تا کہ ہر شخص اپنے ضمیر سے پوچھ کر فیصلہ کرے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے لیے تیار ہے؟ اگر نہیں ہے اور اس کی فطرت اس چیز سے گھن کھاتی ہے تو آخر وہ کیسے یہ بات پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرے جہاں وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔ اسے خبر تک نہیں کہ اس کی عزت نیلام کی جارہی ہے۔

حالانکہ اسلام نے مومن کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے بلکہ کس طرح اس کو درجہ تقدیس و تعظیم کی بلندی تک پہنچایا ہے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی طرف دیکھ کر کہا:

تیری عظمت اور تیری حرمت کا کیا کہنا! لیکن مومن کی حرمت تجھ سے بھی بڑھ کر ہے(۲)

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے مسلمانوں کے جمِ غفیر کے درمیان خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

تمہارے مال، تمہاری عزتیں اور تمہارے خون تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ اور اس شہر (مکہ) میں حرام ہے۔(۳)

۱۔ الحجرات: ۴۹/ ۱۲

۲۔ سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، ح: ۲۰۳۲

۳۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، ح: ۴۴۰۶

اسلام کی نظر میں فرد کی عزت و آبرو اس قدر عزیز ہے کہ جو بات بھی انسان کو ناگوار ہو سکتی ہو اس کا ذکر اس کی غیر موجودگی میں کرنے کی اجازت نہیں دیتا اگرچہ وہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح بھی ہو۔ جب اسلام ایسی بات کو گوارا نہیں کرتا تو بے بنیاد باتوں اور افتراء پردازیوں کو کیونکر گوارا کرے گا۔

غیبت کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ اس شخص کی دل آزاری نہیں ہے جس کی غیبت کی گئی، اس فعل سے اس کو اذیت پہنچے یا نہ پہنچے لیکن یہ فعل بذات خود حرام ہے کیونکہ اس کو تو علم ہی نہیں۔ جیسے مردہ شخص کو اس سے کیا تکلیف ہو گی کہ کوئی اس کی لاش کو بھنبھوڑ رہا ہے۔ وہ بے چارہ تو بے خبر ہے لیکن ایسا کرنا بذات خود گھناؤنا فعل ہے۔ اس طرح جس کی غیبت کی گئی وہ بے چارا ساری زندگی لاعلم رہا کہ کہاں کہاں اس کو ذلیل و حقیر کیا گیا اس کی عزت پر بہر حال حرف آئے گا۔ اس لیے یہ فعل اپنی نوعیت میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے مختلف نہیں ہے۔

نبی ﷺ اس قرآنی تصویر کو ذہنوں میں اتارنے کی برابر کوشش کرتے رہے۔ اور غیبت سے نفرت دلاتے رہے۔ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد دوسرے شخص نے اس کے بارے میں توہین آمیز بات کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خلال کر لو۔ اس نے عرض کیا: خلال کس وجہ سے کروں؟ میں نے گوشت تو کھایا نہیں۔ فرمایا: تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے [۱]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ بدبو دار ہوا چلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جانتے ہو یہ بدبو کیسی ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مومنوں کی غیبت کرتے ہیں [۲]

انسان کو عام طور پر جو باتیں ناگوار گزری ہیں وہ عموماً اس کی خلقت، اخلاق، نسب وغیرہ سے متعلق ہوتی ہیں تو اس کے متعلق بات کرتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا:

آپ ﷺ کے لیے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پستہ قد ہونا کافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسی بات کہی کہ اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے تو اس کا پانی متغیر ہو جائے [۳]

۱۔ الطبرانی معجم الکبیر، پروگریسیو بکس لاہور، سن ندارد، ۱۰/۱۲۶

۲۔ صحیح بخاری،، باب فی ادب المفرد، ح:۷۵۳

۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ح:۴۸۷۵

غیبت کے سلسلہ میں استثنائی صورتیں

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ اسلام میں فرد کی ذاتی حرمت نہایت مقدس ہے لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جن کو علمائے اسلام نے حرام غیبت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اس استثناء سے بقدر ضرورت ہی فائدہ اٹھانا چاہیے، جو درج ذیل ہیں:

⇐ اس سلسلے کی اہم بات یہ ہے کہ مظلوم ہر اس شخص کے سامنے ظالم کی شکایت کر سکتا ہے جس سے اسے توقع ہو کہ وہ ظلم دفع کرنے میں اس کی مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾[۱]

ترجمہ: اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے، اِلّا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو، اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

⇐ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی متعین شخص کے بارے میں اس سے کاروبار میں شرکت یا اپنی بیٹی کے نکاح یا کوئی اہم ذمہ داری اس کے سپرد کرنے کی غرض سے سوال کرے۔ ایسے موقع پر دو متعارض باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک یہ کہ دین میں خیر خواہی واجب ہے اور دوسرے یہ کہ غیر موجود شخص کی عزت کا تحفظ بھی واجب ہے۔ لیکن چونکہ پہلی چیز زیادہ اہم اور مقدس ہے اس لیے اسے دوسری چیز پر ترجیح دی جانی چاہیے۔

اس سلسلے میں ہمیں آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ سے رہنمائی ملتی ہے۔ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے نکاح کرنے کے لیے دو پیغام دینے والوں کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: معاویہ مفلس ہیں اور ابوالجہم بیویوں کو بہت مارتا پیٹتا ہے[۲]

یہاں ایک خاتون کے لیے مستقبل کی زندگی کا مسئلہ درپیش تھا اور آپ ﷺ سے مشورہ درکار تھا تو آپ ﷺ نے اس حالت میں لازمی جانا کہ دونوں صاحبوں کی جو کمزوریاں آپ کے علم میں ہیں وہ بتادی جائیں۔

⇐ استفتاء کے لیے کسی مفتی کے سامنے صورت یا واقعہ بیان کرنا، جس میں کسی شخص کے کسی غلط فعل کا ذکر آجائے۔

۱۔ النساء:۴/۱۴۸

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائن، ح:۱۴۸۰

⟸ لوگوں کو کسی کے شر سے خبر دار کرنے کے لیے غیبت کا جواز ہے کہ منکر کا ازالہ ہو سکے۔ ان کی برائیوں پر تنقید کرنا جو فسق و فجور پھیلا رہے ہوں یا بدعات و گمراہی کی اشاعت کر رہے ہوں۔

⟸ اگر کسی شخص کا نام یا لقب یا وصف ایسا ہو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو لیکن وہ اسی نام سے مشہور ہوں جیسے لنگڑا، کمزور نگاہ والا وغیرہ تو ایسی صورت میں اسے بغرضِ تعارف یا پہچان کے پکارنا نہ کہ بغرض تنقیص۔

⟸ اسی طرح راویوں اور گواہوں پر جرح کرنا بھی جائز ہے[۱]

مندرجہ بالا جواز کی صورتوں میں یہ بھی احتیاط ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ جب تک غیر موجود شخص کے سلسلہ میں ناگوار بات کا تذکرہ کرنے کی شدید ضرورت محسوس نہ ہو اس وقت تک اس دائرہ میں قدم رکھنا صحیح نہیں جب تک اشارہ کنایہ سے کام چلتا ہو تصریح نہ کی جائے۔ اس طرح جب تک عمومیت اختیار کی جاسکتی ہو تخصیص نہ کی جائے اور کوئی ایسی بات پر گزارہ کیا جائے جو فی الواقع اس شخص میں موجود نہ ہو ورنہ بہتان ہو گا جو حرام ہے۔

اس کے علاوہ ان سب باتوں کے سلسلہ میں فیصلہ کن معاملہ نیت کا ہے۔ انسان خود دوسروں کے مقابلے میں اپنی قلبی و ذہنی محرکات کو بہتر طور پر جانتا ہے۔ نیت ہی کے ذریعہ غیبت و تنقید اور نصیحت و برائی کے تشہیر کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مومن اپنے نفس کا نہایت سختی کے ساتھ محاسبہ کرتا ہے۔

اسلام میں غیبت سننے والا بھی گناہ میں اسی طرح شریک ہے جس طرح کہ کرنے والا اور کہنے والا۔ لہٰذا ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی مدد کرے اور اس کی طرف سے مدافعت کرے۔

حدیث نبوی ہے:

جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کی عزت کو بچائے گا اللہ قیامت کے دن اس کے چہرے کو آگ سے بچائے گا۔[۲]

لیکن جو شخص یہ حوصلہ نہ رکھتا ہو اور اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کرنے والی زبانوں کو روک نہ سکتا ہو، اسے چاہیے کہ ایسی مجلس سے نکل جائے اور ایسے لوگوں سے قطعاً اعراض کرے، جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ نہ جائیں۔ ورنہ عجب نہیں کہ اس کا شمار بھی غیبت کرنے والوں میں سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ عسقلانی، حافظ ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح بخاری، المکتبۃ السلفیۃ،۱۳۷۸ھ، ص ۱/ ۳۶۲

۲۔ سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الذب عن عرض المسلم، ح:۱۹۳۱

﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُ هُمْ﴾[1]

ورنہ تم بھی ان ہی جیسے ہو۔

الغرض قرآن کریم اسلامی نظام حیات کے ذریعہ جو فاضلانہ سوسائٹی قائم کرنا چاہتا ہے اس کے اندر بہت ہی بلند معیار کے آداب واخلاق ہوتے ہیں۔ اس میں ہر فرد کو عزت نفس حاصل ہوتی ہے کیونکہ فرد کی عزت سوسائٹی کی عزت کی وجہ سے ہے۔ انسانی جماعت نفس واحد ہے۔ ایک انسان کی تذلیل پوری انسانیت کی تذلیل ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی یہ آیت اسلام کے سیاسی نظام کی ایک دستوری دفعہ بھی ہے، محض اخلاقی وروحانی اصلاح پر مشتمل ایک وعظ ہی نہیں رہی۔ بلکہ لوگوں کے بنیادی حقوق اور ان کی شخصی آزادی کے لیے ایک تحفظ ہے۔ یہ دوررس حقوق کہاں؟ یہ بلند افق کہاں؟ اور وہ حقوق کہاں جن پر آج کی مغربی جمہوری حکومتیں بغلیں بجاتی ہیں وہ کہاں؟ وہ بھی چودہ سو سال بعد۔

یہ آیت اسلام میں خون کی مانند ہے۔ انسانی خیالات وتصورات کے لیے اندازِ فکر ہے۔ اس قسم کی مسلسل تربیت کے ذریعے ہی اسلامی سوسائٹی کی تطہیر کی جاتی ہے جو پاک ہو کر بلند مقام تک پہنچی۔ انہی اخلاقی قدروں کو اپنا کر صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین نے بلاد وماصار فتح کیے اور انسانیت کے دلوں پر راج کیا۔

۱۔ النساء:۴/ ۱۴۰

نتائج بحث

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ابدی معجزہ ہے، جو پوری انسانیت کے لیے بہت بڑا انعام ہے، چونکہ اس کا مقصود رشد ہدایت اور لوگوں کو گمراہی سے بچا کر سدھی راہ دکھلانا ہے اس لیے دعوت و تبلیغ کے لیے عام فہم انداز اپنایا گیا ہے ان تمام ذرائع میں امثال کے ساتھ بات واضح کرنا ہر زمانے اور طبقے میں مقبول ترین ذریعہ رہا ہے، دوران تحقیق نتائج درج ذیل ہیں۔

- قرآن مجید میں ۱۴۰ سے زائد مقامات پر واضح الفاظ میں "امثال" ذکر ہوئی ہیں۔ جبکہ یہ لفظ ۱۶۹ مرتبہ م ث ل سے مختلف صیغے کی صورت میں وارد ہوا ہے۔ جن میں مثَل ۸۸ مرتبہ مذکور ہے اور مثل ۷۵ مرتبہ آیا ہے جہاں یہ مثالیں: تبشیر، تنذیر، عبرت، اور نصیحت وغیرہ کے سیاق میں دی گئی ہیں۔
- قرآنی اسلوب ہے کہ وہ اپنا مدعا نہایت مدلل اور مبرہن انداز سے پیش کرتا ہے۔ قرآن ہدایت کی جانب اپنی دعوت کسی جبر یہ یا تحکمانہ انداز کی بجائے ایسے دلائل اور احسن طریقے سے پیش کرتا ہے جو قطعی اور یقینی مقدمات پر مبنی ہیں، جس سے قرآنی امثلہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔
- تمثیل وہ سانچہ ہے جس سے معانی و مفاہیم ایک زندہ صورت کی شکل میں ظاہر ہو کر ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں غائب چیز کو حاضر سے تشبیہ دے کر عقل میں سمو دیا جاتا ہے، جس سے قرآنی امثلہ کی حکمت کو سمجھنا ممکن ورتا ہے۔
- علم الامثال کا اصل مقصد اور غرض و غایت یہی ہے کہ عقائد دینیہ ہوں یا معاشرت و معاملات سے متعلق الغرض دین و دنیا دونوں کی کامیابی کے لیے دلائل براہین کے ذریعے پایہ ثبوت تک پہنچائے جائیں اور مخالفین کی جانب سے پیدا کیے گئے شک و شبہات دور کیے جائیں۔
- قرآنی امثلہ فوائد سے بھرپور ہیں، یہ انسانی دل پر اس طرح سے اثر انداز ہوتی ہیں کہ نفس اسے قبول کیے بناء رہ پر ہی نہیں سکتا عقل اس پر قناعت کر لیتی ہے۔ قرآنی مثالیں ایک منظم، خوبصورت اور دلچسپ انداز بیان کے ساتھ قرآن کا معجزہ ہیں۔
- قرآنی امثلہ انسانی زندگی کے ہمہ جہت معاملات کے مطابق وارد ہوئی ہیں۔ ان پر غور و فکر کرنے سے، عقائد، و معاملات اور اخلاق پر مثبت اور تعمیری اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

- قرآن مجید میں ذکر کردہ امثال کا مقصد عقائد و معاشرت میں مشکل سمجھی جانی والی ابحاث کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ان امثال میں بنیادی طور پر انسانی فہم و فراست / عقل و شعور کو مخاطب بنایا گیا ہے۔
- عقائد کے ضمن میں قرآنی مثالیں ایمان پختہ کرتی ہیں، انبیاء و رسل و آخرت کی تصدیق اور حقائق انسان کو راہ راست کی طرف لے جاتے ہیں۔
- قرآنی مثالیں دعوت دین کے لیے ادبی و فنی اعتبار سے مؤثر ترین وسیلہ شمار ہوتی ہیں۔یہ ادب کی دلنواز قسم ہیں۔ قرآن کا چراغ ہیں، عبرت و نصحت کا سامان ہیں عقل کے موتیوں کا سمندر اور سنت کے رستوں پر چلنے والوں کے لیے روشنی ہیں۔
- قرآنی مثالیں روحانی تقاضوں عبادات، صدقات، اخلاقیات کے ساتھ ساتھ مادی تقاضوں رزقِ حلال، سود جیسے معاملات میں بھی مشعلِ راہ ہیں، انسانی نفوس کی اصلاح و تربیت کردار سازی اور انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

المختصر یہ کہ قرآن مجید بطور کتاب ہدایت ہر شعبہ زندگی کی تعلیمات کے اصولوں کی جامع ہے اور اس کی صفت جامعیت ہیں دنیا کی کوئی بھی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں ان مثالوں کو حقیقی طور پر سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق دے تاکہ کہ ہم بھی اہل علم میں شامل ہو کر فلاح و کامرانی پا سکیں۔

آمین

تجاویز و سفارشات

۱) مساجد تربیت کا بہت بڑا حصہ ہوتی ہیں علماء وقت ان مثالوں کا مناسب طریقے سے مختلف مواقع پر اہتمام کریں، خاص طور پر خطبہ جمعہ میں لوگ لازمی شریک ہوتے ہیں جو اجتماع کا بہترین موقع ہے، تو عوام کے مراتب کے لحاظ سے ان مثالوں کو بیان کر کے ان کی دینی و دنیاوی تربیت کی جائے۔

۲) دھوکہ دہی اور سودی معاملات پر قابو پانے کے لیے سود اور صدقہ و خیرات سے متعلق قرآنی امثلہ کو بہترین دعوت و حکمت سے لوگوں میں متعارف کروایا جائے۔

۳) انسان کی کامیابی و فلاح کا دارومدار اس کے اخلاق و کردار پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ نے اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا ہے، ایسی مثالوں کو آسان فہم کے ساتھ لوگوں کی تربیت کے لیے بیان کیا جائے۔

۴) انسان کی تربیت میں خاندان کا کردار بہت اہم ہے۔ ابتدائی عمر کی تربیت کا اثر ہمیشہ باقی رہتا ہے، لہذا اخلاقیات سے متعلق قرآنی امثلہ کا اہتمام کر کے اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔

۵) اساتذہ کو چاہئے کہ اپنے زیر سایہ بچوں کی تربیت کے لیے مختلف سطح تعلیم پرائمری، مڈل، سیکنڈری کالج، یونیورسٹی کے طلباء کی عملی زندگی سے متعلق قرآنی مثالیں دے کر معاشرے اور دین کا کامیاب فرد بنائیں۔

۶) ذرائع ابلاغ، الیکٹرانک میڈیا، انٹرنیٹ انسانی تربیت و تبلیغ کے وسیلے کا بہترین ذریعہ ہیں، وہ ایسے پروگرامز مرتب کریں۔

۷) علماء اس سلسلے میں سیمینار اور کانفرانس منعقد کریں لوگوں میں شعور و آگہی پیدا ہو، علماء ان مثالوں سے ماضی کو حال سے relate کر کے پیش کریں اور عبرت کے اسرار و رموز واضح کریں۔

۸) اس موضوع کے مختلف گوشوں اجاگر کیا گیا ہے لیکن سائنسی، طبی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے بھی اس کی اہمیت و ضرورت پر کام ہونا چاہئے، تا کہ قوم و ملک اس عظیم موضوع سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔

۹) اس موضوع سے متعلقہ زیادہ تر کتب عربی زبان میں ہیں۔ اسلیے ان کتب کا اردو ترجمہ ہونا ضروری ہے اور طلباء میں عربی کو عام کیا جائے تا کہ مصادر اصلیہ سے فائدہ حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

۱۰) علماء دانشور لوگوں کی اخلاقی تربیت کے لیے ایسے پروگرام وضع کریں جس سے معاشرے سے معاشی و معاشرتی برائیوں کو ختم کیا جاسکے۔

۱۱) زیر بحث عنوان پر حتی الوسع تمام معلومات فراہم کر دی گئی ہیں، لیکن واضح رہے کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، اس مقالے میں مزید کام کرنے کی گنجائش باقی ہے۔ ابھی ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا جیسے شرح صدر کی مثال۔ خبیث وپاکیزہ درخت کی مثال، صحابہؓ کی مثال، اللہ کے نور کی مثال وغیرہ۔

۱۲) ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر Quranic Sciences اور Quranic Parables کے عنوان سے ایک الگ شعبہ قائم کیا جائے۔ تاکہ طلبہ قرآن کے علوم کو سمجھ کر ان میں تدبر و تفکر کریں اور اس میں پنہاں مزید معلومات کو اجاگر کر سکیں۔

(واللہ المستعان)

فہرست آیات

آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	الفاتحۃ	۱	۵۱
وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ	البقرۃ	۴	۸۶
مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ	//	۱۷_۲۰	۴،۶،۴۰،۴۷،۸۲
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً	//	۲۶_۲۰	۱۴/۱۹
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى	//	۳۴	۷۵
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ	//	۱۳۶	۵۹
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَه كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ	//	۱۴۶	۷۰
فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ	//	۱۵۲	۷۴
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ	//	۱۸۳	۹۷/۹۹/۱۰۱
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ	//	۱۸۵	۱۰۱
وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ	//	۱۸۷	۱۰۲
اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ	//	۱۸۷	۳۷
فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ	//	۲۰۰	۱۰۸
مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ	//	۲۶۱	۷/۲۱/۳۱/۱۱۷
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ	//	۲۵۳	۶۴
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ	//	۲۶۲،۲۶۴	۳۱/۱۳۸/۱۳۹/۱۵۲
اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ	//	۲۷۵	۱۰/۱۳۰
وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ	//	۲۷۶	۱۲۴
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا	//	۲۷۸،۲۷۹	۱۲۷

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ	ال عمران	۱۴	۱۱۹
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ	//	۳۱	٦۷
اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَه مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ	//	۵۹	۴۵
وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا	//	۹۷	۱۰۵
لَيْسُوْا سَوَاءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَايِمَةٌ يَّتْلُوْنَ	//	۱۱٦	۱۴۷
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ	//	۱۱۷	۱۴٦
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً	//	۱۳۰	۱۲۷
وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُ هَا السَّمٰوٰتُ	//	۱۳۴،۱۳۳	۱٦۳
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا	//	۱۵۹	۱٦۹
مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا	//	۱۷۴	۱۴۴
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ	النساء	۱۴	۸۱
وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِه شَيْـًٔا	//	۳٦	۵۳
اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُ هُمْ	//	۱۴۰	۱۷۸
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ	//	۷۷	۴۱
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ	//	۸۰	٦۷
لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ	//	۱۴۸	۱۷٦
رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ	//	۱٦۵	۵۹
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	المائده	۳	۱۱۲
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ	//	۲۷	۵۸
وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ	الانعام	۸٦	٦۲
وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ	//	۲۹	۸۷
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه	//	۱۲۴	٦۱

وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا	//	۸۴،۸۶	۶۲
اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ	//	۱۲۲	۷۷
وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ	الاعراف	۵۷	۹۱
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ	//	۶۸	۶۳
فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	//	۱۱۸	۱۵۱
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا	//	۱۷۵،۱۷۷	۲۶
وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ	//	۱۸۰	۵۲
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ	التوبۃ	۶۷	۸۱
إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ	یونس	۲۴	۴
اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا	//	۳۶	۱۵۰
اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ	//	۵۵	۱۵۰
الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا	ھود	۱۹،۲۴	۲۵/۷۷
قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ	الرعد	۱۶	۵۱
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا	//	۱۷	۱۵۴
اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ	//	۲۸	۱۰۹
وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ	//	۳۱	۳۶
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ	//	۳۵	۱۸
قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	ابراہیم	۱۱	۶۳
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ	//	۲۴	۳۵
وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ	//	۲۵	۸
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا	النحل	۳۶	۶۱
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ	//	۷۵	۲۷

۱۸	٦۰	//	وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی
۳۰	۹۲،۹۱	//	وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ
۷٦	۱۱۲	//	وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا
۴۴	۲۹	الاسراء	وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا
۱٦٦/۱٦۴	۲۳،۲۴	//	وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
۸۹	۵۱	//	فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
۱۵۲	۸۱	//	وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا
۹۳	۲۱	الكهف	لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
۷۵	۳۸،۳۵	//	وَدَخَلَ جَنَّتَه وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِه قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ
۳۴	۴٦،۴۵	//	وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ
٦۹	۱۱۰	//	قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
٦۵	۵۰	مريم	لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا
٦۵	۵۵	//	عِنْدَ رَبِّه مَرْضِيًّا
۱۲۴	۵	الحج	فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
۹	۳۱	//	حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِه وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
٦۲	۷۵	//	اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ
۱۲۴	۵۵	المومنون	رَبْوَةٍ
۳۸	۳۹	النور	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ
٦۸	٦۳	//	لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا
٦۳	۲۰	الفرقان	وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ
۵۸	۴۸	//	وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِه

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	الشعراء	۲۱۵	۱۶۶
مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ	العنکبوت	۴۱	۵۴/۴۶
وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ	//	۴۳	۲۹/۱۴
اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ	//	۵۱	۶۹
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَ هِىَ الْحَيَوَانُ	//	۶۴	۸۶
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا	//	۶۸	۷۵
بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَي الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُه فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ	الانبیاء	۱۸	۱۴/۲۰/۱۵۸
ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ	الروم	۲۸	۲۷
وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا	//	۳۹	۱۲۶
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ	الاحزاب	۴۰	۶۹
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	//	۵۶	۶۸
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ	سبا	۶	۱۵۱
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ	//	۲۸	۶۶
وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ- وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ	فاطر	۱۹،۲۳	۷۸
وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ	یس	۱۳	۴۷
اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّه لَكُمْ	//	۶۰	۵۵
قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ	//	۷۸	۸۷
اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ	الصافات	۶۲،۶۸	۴۴
اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ	ص	۴۱	۱۳۱
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ	الزمر	۶۲	۵۱
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ	//	۲۷	۱۳

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَه عَدَاوَةٌ	فصلت	۵	۱۶۲
فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	شوریٰ	۱۱	۵۲
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ	الزخرف	۵۶	۲
اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاءِيْلَ	//	۵۹	۳
وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ	الجاثیۃ	۲۴	۸۷
اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ	الجاثیۃ	۳۲	۸۸
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ	الاحقاف	۳	۷۵
قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِه وَلٰكِنِّيْٓ	//	۲۳	۶۳
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	//	۳۳	۸۹
فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ	//	۳۵	۶۶
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ	محمد	۱۵	۳
فَاعْلَمْ اَنَّه لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	//	۱۹	۵۴
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ	فتح	۲۹	۳۳
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ	الحجرات	۲	۶۸
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ	//	۱۲	۱۷۰/۱۷۴
وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ - اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ	الزریٰت	۷،۸	۸۸
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی - اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰی	النجم	۳،۴	۶۵
وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا	//	۲۶	۸۸
كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ. اِنَّآ اَرْسَلْنَا	القمر	۱۸،۲۰	۳۸
وَحُوْرٌ عِيْنٌ ـ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوءِ الْمَكْنُوْنِ	الواقعہ	۲۲،۲۳	۲۴
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاودَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَه وَالطَّيْرَ	الحدید	۱۰	۶۴
اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ	//	۲۰	۴۲/۷۴

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ	الحشر	۲۱	۸/۱۳/۲۲/۳۵
مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ	الجمعہ	۵	۳۴
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ	المنافقون	۳	۷۶
وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ	//	۴	۱۳۶
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ	التحریم	۱۰	۴۵
كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ	//	۲۳	۴۵
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ	القلم	۴	۱۶۲
رَابِيَةً	الحاقۃ	۱۰	۱۲۴
عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِهٖ اَحَدًا	الجن	۲۶،۲۷	۶۴
كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ	المدثر	۵۰	۴۶
وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ	الانسان	۱۹	۲۴
تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ	الملک	۸	۴۲
عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ - عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ - الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ	النباء	۱،۳	۸۸
وَالْفَجْرِ- وَلَيَالٍ عَشْرٍ	الفجر	۱،۲	۱۱۱
وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا	//	۲۰	۱۱۹
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى	الضحی	۴	۸۶
اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ . حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ	التکاثر	۱،۲	۱۵

فہرست احادیث

احادیث		صفحہ نمبر
أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا	سنن ابو داوٗد	۱۶۳
اللَّهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي، فَأَحْسَنْ خُلُقِي	مسند احمد	۱۶۳
إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ	صحیح بخاری	۱۴۹
الْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ	صحیح بخاری	۱۰۶
صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ	صحیح الجامع الصغیر	۱۲۱
الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	صحیح بخاری	۱۷۰
لَا إِلَهَ إِلا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ	صحیح مسلم	۵۱
مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ	سنن ابو داوٗد	۱۶۳

مصادر ومراجع

قران مجید

عربی کتب

- ابرہیم نیشاپری المیدانی، مجمع الامثال، مکتبہ السنۃ المحمدیۃ، دار لمعرفۃ، بیرورت، ۱۴۰۷ھ
- ابن ابی العزیز، شرح العقیدۃ الطحاویۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ۲۰۰۹ء
- ابن کثیر، مبارک بن محمد، علامہ، البدایۃ والنہایۃ، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۵ھ
- ابن الہمام، الحنفی، محمد بن عبد الواحد، کمال الدین، علامہ، فتح القدیر، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء
- ابن حجر، أحمد بن علي، حافظ، فتح الباری شرح صحیح بخاری، المکتبۃ السلفیۃ، ۱۳۷۸ء
- ابن قدامہ، عبد اللہ بن أحمد، المغنی، دار عالم الکتب، ۱۴۱۷ھ
- ابن قیم الجوزی، محمد بن ابی بکر، شمس الدین، الامثال فی القرآن الکریم، دارالمعرفۃ بیروت، ۱۴۰۳
- ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، شمس الدین، اعلام المعوقین عن رب العالمین، دارالاکتب العلمیۃ، بیروت
- ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان اللسان، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۳
- ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت لبنان 1995
- ابن نجیم المصري، زین الدین بن إبراهیم بن محمد، البحر الرائق، دارالکتب العمیۃ، ۱۹۹۷ء
- آلوسی، محمود، علامہ، روح المعانی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
- امام ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام، فتاوی ابن تیمیہ، دارالسلام ریاض، ۱۳۸۲ھ
- امام ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن ابی بکر، شمس الدین، مدارج السالکین، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۴۲۳ھ
- امام ابو بکر جصاص، احمد بن علی، رازی، احکام القرآن، داراحیاء التراث، بیروت، ۱۹۶۶
- امام احمد بن حنبل، مسند احمد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۹
- امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار لسلام، الریاض، ۲۰۰۶م
- امام بغویؒ، حسین بن مسعود، تفسیر معالم التنزیل، دار طیبۃ۔ ریاض، ۱۴۰۹ھ
- امام رازی، محمد بن عمر، تفسیر کبیر، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ
- امام راغب اصفہانی، حسین بن محمد، حسین بن محم المفردات فی غریب القرآن، مکتبہ نزار مصطفی الباز
- امام راغب اصفہانی، حسین بن محمد، مفرادات القرآن، مکتبہ فیاض للتجارۃ والتوزیع، ۱۴۳۰ھ

- امام زرکشی، محمد بن عبد اللہ بن بہادر، بدرالدین، البرہان فی علوم القرآن، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۰ھ
- البانی، محمد ناصر الدین، الجامع الصغیر، مکتبہ الاسلامی، دمشق
- البستانی، فؤاد خرام، منجد الطلاب، دارالمشرق، بیروت، ۱۹۲۱ء
- ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، السنن،
- الجربوع، عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، الالمثال القرآنیۃ القیاسیۃ المضروبۃ الایمان باللہ، مکتبۃ الملک، عہد الوطنیۃ، مدینہ منورہ، ۱۴۲۴ھ
- الجرجانی، عبد القادر بن عبد الرحمٰن بن محمد، اسرار البلاغۃ، مطبعۃ المدنی، القاہرہ
- الجوہری، اَبو نصر اِسماعیل بن حماد، الصحاح، طبع بیروت، ۱۹۸۴
- حارث ابن محمد، ابو محمد، مسند الحارث، تحقیق: دکتور حسین احمد صالح، مکتبہ خدمت السنۃ سیرۃ النبویۃ مدینۃ، ۱۹۹۲
- خطیب تبریزی، محمد بن عبد اللہ، مشکواۃ المصابیح، دار الکتب العلمیہ لبنان ۱۹۹۳، کتاب الایمان، باب الاعتصام باالکتاب والسنۃ
- الحکیم الترمذی، محمد بن علی، الامثال من الکتاب والسنۃ، دار بن زیدون بیروت، لبنان، ۱۴۵۷ھ، ۱۹۸۷م
- الرازی، محمد بن عمر، فخر الدین، مفاتیح الغیب، دارالفکر، ۱۴۰۱ھ
- الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، العول لعلی الغفار فی ایضاح صحیح الاخیار وسقیمھا، مکتبہ اضواءالسلف، الریاض، ۱۹۹۵م
- زبیدی، محمد مرتضی، تاج العروس، من جواہر القاموس، مطبوعہ دارالفکر الطبع والنشر والتوزیع بیروت لبنان، ۱۹۹۴
- سجستانی، سلیمان بن اشعث،، ابو داؤد، امام، سنن ابی داؤد
- سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین، الجامع الصغیر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ
- سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، مکتبہ العلم لاہور
- شیبانی، محمد بن حسن، صحیح الجامع الصغیر، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ۲۰۰۹ء
- الطبرانی، سلیمان بن اَحمد، ابو القاسم، امام، المعجم الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ الاضافۃ، ۲۰۰۸
- الطبرانی، سلیمان بن اَحمد، معجم الوسیط، مکتبہ المعارف ریاض، ۱۴۰۵ھ
- عبد الرحمٰن بن حماد آل عمر، دین حق، وزارۃ الشؤن الاسلاملک والاحقاف، والدعوۃ والارشاد، المملکۃ العربیۃ، السعودیۃ، ۱۴۲۰ھ

- فوزان، صالح، ڈاکٹر، کتاب التوحید، مکتبہ دار ابن الجوزی، ۲۰۰۶ء
- الفیروز آبادی، مُحمّد بن یعقوب، مجد الدین، القاموس المیحط، مؤسسۃ الرسالت، بیروت، لبنان، ۱۹۹۷
- قرطبی، محمد بن ابی بکر، ابو عبد اللہ، الجامع لاحکام القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ،
- قزوینی، محمد بن یزید، ابو عبد اللہ، امام، سنن ابن ماجہ
- القشیری، مسلم بن الحجاج، امام، صحیح مسلم، دار السلام، الریاض، ۲۰۰۶
- القیراوانی، ابن رشیق، أبو علي الحسن، العمدۃ، تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، مصر، ۱۹۶۳
- لویس معلوف، المنجد فی اللغۃ، المکتبۃ الشرقیہ، فی بیروت، ۱۹۳۱ھ
- محمد بن عبد اللہ، ڈاکٹر، نواقض الاسلام الاعتقادیۃ وضوابط التکفیر عند السلف، دار العوان، ۱۴۳۳ھ
- المیدانی، عبد الرحمن حسن حنبکہ، امثال القرآن وصور من ادبہ الرفیع، دار القلم دمشق، ۱۴۱۶ھ
- نسائی، احمد بن شعیب، ابو عبد الرحمٰن، السنن،
- النسفی، عبد اللہ بن احمد، العقائد النسفیۃ، شعبۃ المکتبہ الدوابیۃ مکتبہ المدینۃ، ۲۰۰۹م
- النسفی، عبد اللہ بن احمد "مدارک التنزیل حقائق التاویل" دار الکلم الطیب بیروت ۱۹۹۸ء
- وھبۃ الزحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء

اردو کتب

- اسرار احمد، ڈاکٹر، تفسیر بیان القرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ستمبر ۲۰۲۰ء
- اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر القرآن، ادراہ فاران فاؤنڈیشن، لاہور، دسمبر ۲۰۰۰ء
- امجد علی، مولانا مفتی، بہار شریعت، مکتبہ المدینہ کراچی، ۲۰۰۸ء
- پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء
- الجزائری، ابو بکر جابر، الشیخ ابو بکر ا، منہاج المسلم، باب اخلاقیات، دار السلام، دسمبر، لاہور ۱۹۹۷ء
- دہلوی، عبد الحق حقانی، تفسیر فتح المنان، میر محمد کتب خانہ، آرم باغ، کراچی، ۲۰۱۶
- سعیدی، غلام رسول، تفسیر تبیان القرآن، رومی پبلی کیشنز، لاہور، رجب ۱۴۲۶ھ
- شہاب، رفیع اللہ، پروفیسر، احکام القرآن، دوست ایسوسی ایشن، ۱۹۹۳
- شیرازی، ناصر، مکارمِ اخلاق در قرآن، المؤسسۃ الاسلامیہ، ۱۳۸۷ھ
- الطبرانی، سلیمان بن أحمد، ابو القاسم، امام، معجم الکبیر، پروگریسیو بکس لاہور، سن ندارد

- عبد الحفیظ، ابو الفضل، مولانا، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۱۲ء
- عبد اللہ شبہ، الاخلاق، مکتبہ العتبہ الحسینیہ، سن ندارد
- عصمت ابو سلیم، المنجد، عربی اردو، مکتبہ دانیال، ۲۰۱۲ء
- غزالی، محمد بن محمد بن محمد الغزالی، احیاء العلوم، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، ۲۰۱۵
- فرحت ہاشمی، ڈاکٹر، حج بیت اللہ، الھدیٰ پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء
- فیروز الدین، مولوی، الحاج، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور، ۱۹۷۳ء
- قحطانی، سعید بن علی، الشیخ ،ڈاکٹر، اخلاص کے ثمرات اور ریاکاری کے نقصانات، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۵ء
- کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، معارف القرآن، مکتبہ المعارف، دارالعلوم کراچی، ۱۴۱۹ھ
- کیلانی، عبد الرحمٰن، مولانا، تیسیر القرآن، مکتبہ اسلام، لاہور، ۱۴۳۵ھ
- کیلانی، عبد الرحمن، مولانا، مترادف القرآن، مکتبہ السلام، ۱۹۹۵ء
- قاری محمّد دلاور سلفی، امثال القرآن، پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور ۲۰۰۹
- گوہر رحمٰن، مولانا، حرمت سود، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۲۰۱۰ء
- محمد فواد عبد الباقی، اللؤلؤ والمرجان، الجزء الاول، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۱۲ء
- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، نومبر ۱۹۸۰ء
- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، مولانا، تفہیمات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۵ء
- مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، مولانا، سود، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء
- مولانا خالد محمود، امثال القرآن، بیت العلوم لاہور ۲۰۱۰
- نجیب آبادی، محمد اکبر شاہ، تاریخ اسلام، مکتبہ جبرائیل، مکتبہ خلیل ،لاہور، جنوری ۲۰۰۴ء
- الہلالی، محمد سلیم بن عید، ڈاکٹر، ریاکاری کی حلاکتیں، انصار السنۃ پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۵ء
- ہارون یحییٰ، نظریہ ارتقاء۔ ایک فریب، اسلامک ریسرچ سنٹر پاکستان اپریل ۲۰۱۱

English Book

- Man and Money by Sheikh Mahmud, oxford university press 2002

Websites

- Dialectical materialism by karl Marx
- How fast Does light Travel? By Nola Taylor Redd from Space.com
- Rekhtadictionary.com
- UK. Seagrantsatlantic.orgwww. Awaz-e- Haq.com
- www.bmkmusic.com Thesis Arti thesis synthesis karlmarx
- سعد الصقیر، ڈاکٹر، العربیہ ڈاٹ نیٹ، دبئی، ٦ جون ٢٠١٦